فہرست مضامین

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

محرم الحرام ۱۴۱۱ھ تا صفر المظفر ۱۴۱۲ھ | جلد ۲۶ | اکتوبر ۱۹۹۰ء تا ستمبر ۱۹۹۱ء

مضامین کی فہرست موضوعات کے لحاظ سے سلسلہ وار ان صفحات کے سے دی گئی ہے جو ہر صفحے کے نیچے لکھے ہوتے ہیں، یہ فہرست جلد کے آغاز میں لگوالی جائے ـــ مدیر ـــ

نقش آغاز (اداریہ) مدیر

وفیات

قرآنیات

توحید و رسالت، احادیث نبوی، سنت رسولؐ اور سیرت مطہرہ

اسلامی قوانین، فقہ اور اسلامی نظام حکومت و آئین

علم و عمل، دینی مدارس

تردید فرق باطلہ، یہودیت، قادیانیت، عیسائیت، شیعیت، آغاخانیت اور تہذیب مغرب وغیرہ

تصوّف و سلوک

بحث و تحقیق، سائنس اور معاشیات

عالم اسلام، جہادِ افغانستان اور مسائل و مشکلات

اسلامی تحریکات اور تاریخ و سوانح

ادبیات

خلیج کی جنگ

افکار و تاثرات

دار العلوم کے شب و روز

تعارف و تبصرہ کتب

اے بی سی آڈٹ بیورو آف سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

ماہنامہ

الحق

اکوڑہ خٹک

جلد ۲۶
شمارہ ۱۲

ربیع الاول / ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
ستمبر ۱۹۹۱ء

بیاد
حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مدیر معاون : عبدالقیوم حقانی

مدیر
حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی
ناظم : شفیق فاروقی

فون نمبر ڈائریکٹ ڈائلنگ سسٹم ۳۴۰ / ۳۴۱ / ۴۳۵ کوڈ نمبر ۰۵۲۳۱۶

اس شمارے کے مضامین

پاکستان میں سالانہ چندہ پچاس روپے فی پرچہ ۵ روپے ... بیرون ملک ہوائی ڈاک ۱۲ پونڈ
سمیع الحق استاذ دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام ... پریس ... سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

○ حضرت مولانا فقیر محمد بکاؒ کا سانحۂ ارتحال ○ علماء جھنگ کی شہادت
○ جنرل فضل حق کا المناک سانحہ اور گردیز کے محاذِ جنگ پر شہداء افغانستان

ربیع الاوّل کے آخری عشرہ میں لنڈی ارباب پشاور میں پاکستان کی بزمِ اشرف کے آخری چراغ حضرت مولانا فقیر محمد بکاؒ کا بھی وصال ہو گیا۔ مرحوم حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ اور مجذوب الحال بزرگ تھے۔ فکرِ دین، تذکارِ نبیؐ اور ذکرِ خداے والہیت تھی۔ خدا کا نام آتا، نبیؐ کی شان بیان ہوتی، صحابہ کرامؓ کے جذب و ایثار کا ذکر ہوتا، اسلافؒ کا تذکرہ ہوتا، حضرت تھانویؒ کا ارشاد نقل ہوتا تو مرحوم پر وجد و کیف اور ایک حال طاری ہو جاتا، خود بھی روتے حاضرین کو بھی رُلاتے، اور اس میں وہ بے خود تھے، یہی وجہ تھی کہ حکیم الامۃ حضرت تھانویؒ انہیں بکاؒ کے نام سے پکارا کرتے تھے۔

اُن کی ساری زندگی اسلام کی بے لوث خدمت، خلق اللہ کی رشد و ہدایت اور ارشاد و سلوک میں بسر ہوئی تھی۔ افسوس کہ ظلمتِ مادہ پرستی اور طوفانِ خدا فراموشی میں دوائے دل بیچنے والے بڑی تیزی سے سفرِ آخرت اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ مرحوم اپنے شیخ و مرشد اور اکابر علماء دیوبند کی طرح شریعت و طریقت کے جامع تھے، کمالِ اتباعِ سنت ہر ہر قدم پر ملحوظ رہتا تھا۔

زندگی کے آخری سالوں میں آپ کا حلقۂ فیض و ارادت کافی وسیع اور پھیل گیا تھا۔ آپ کی خانقاہ میں دنیا پرستوں اور اہلِ جاہ و ثروت کا نہیں بلکہ زیادہ تر علماء، طلباء، مدرسین، فقراء و مساکین اور منکسرۃ القلوب لوگوں کا ہجوم رہتا تھا۔ وہ عامۃ المسلمین کے ساتھ ساتھ طبقۂ علماء کے بھی مرشد تھے۔ وہ علماء اور دینی مدارس کے طلبہ میں اس طرح خوش رہتے جیسے ماہیِ بے آب پانی میں تسکین پاتی ہے۔ مرکزِ علم دارالعلوم حقانیہ اور اس کے بانی و مؤسس شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق نور اللہ مرقدہٗ سے بے حد محبت اور والہانہ تعلق تھا۔

پشاور کی ایک تقریب میں جس میں اکابر علماء، حضرت تھانویؒ کے خلفاء اور اساطینِ علم موجود تھے شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ نے جب ظہر کی نماز پڑھائی تو حضرت مولانا فقیر محمدؒ نے بلند آواز سے تمام حاضرین (جو سب اہل اللہ تھے) سے درخواست کی کہ شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کی صحتیابی اور مزید دینی اور قومی و ملی خدمات کی دعا کی جائے۔ پھر خود دیر تک گڑگڑا گڑگڑا کر بارگاہِ ربوبیت میں حد درجہ الحاح و تضرع سے اور رو رو کر حضرت شیخ الحدیثؒ کی صحتیابی، درازیٔ عمر اور مرکزِ علم دارالعلوم حقانیہ کی بقاء و ترقی اور استحکام کی دعا کرتے رہے۔ حرمین شریفین کی

حاضری اور وہاں کا قیام زندگی کا معمول بن چکا تھا۔
ربیع الاوّل کے آخری عشرہ میں ارشاد و ہدایت کا یہ تھکا ماندہ مسافر بھی مولائے حقیقی کی آغوشِ رحمت میں جا کر آسودۂ راحت ہو گیا۔ مرحوم کی رحلت کی خبر دارالعلوم حقانیہ کے اساتذہ اور طلباء کے لیے ایک عظیم حادثۂ فاجعہ تھی۔ دارالعلوم کے مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ اور اساتذہ کرام کے علاوہ طلباء بھی قافلوں کی صورت میں نمازِ جنازہ میں شریک ہوئے۔ مرحوم کے لیے دارالعلوم میں ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کا اہتمام کیا گیا۔ دعا ہے کہ حق تعالیٰ مرحوم کے فیض کو جاری و ساری رکھے اور درجات میں تاقیامت اضافہ ہوتا رہے۔

گذشتہ ماہ جھنگ میں علماء دین کو جس بیدردی، بہیمیت اور سفاکی سے قتل کیا گیا، اور اس سے قبل علماء کے قتل کا جو سلسلہ چل پڑا ہے اُس کا پس منظر، ڈور کا سرا پکڑنے والے ہاتھ، اس قدر سفاکی اور ناقابلِ معافی جرم کا ارتکاب کرنے والے اندرونِ ملک پردہ نشین اور بیرونی آقایانِ ولی نعمت اِس قدر واضح اور اظہر من الشمس ہیں کہ ملکی سیاست اور حالات سے ادنیٰ واقفیت رکھنے والے شہری بھی اُنگلی رکھ رکھ کر بتا رہے ہیں کہ یہ سب کچھ کیوں کرایا جارہا ہے؟ اور کون کررہا ہے؟

ہمیں حیرت ہے کہ یہ علماء کرام جن کو کسی سے ذاتی دشمنی، رنجش اور عداوت نہ تھی، جن کی ساری زندگی پڑھنے پڑھانے، تبلیغِ دین، باطل کے تعاقب اور اعلاء کلمۃ اللہ میں گذری۔ نفاذِ شریعت، تحفظِ ختمِ نبوت اور تحفظِ ناموسِ صحابہؓ اُن کا مشن اور تمام تر مساعی کا ہدف تھا۔ اُن کا جرم صرف اتنا تھا کہ انہیں قرآن و سُنّت سے لگاؤ، اسلامی انقلاب سے دلچسپی، تحفظِ ناموسِ صحابہؓ سے عشق اور نظامِ خلافتِ راشدہ کے نفاذ سے وابستگی تھی۔

علماء حق کے قتل کا یہ سلسلۂ واردات حد درجہ المناک اور افسوسناک ہے۔ مرحومین کی شہادت کے یہ واقعات اور ان پر افسوس و ماتم بھی ان محرکات اور حالات کا ہے جو سیاسی بھی ہیں اور مذہبی بھی ـــــ یہ بجا ہے کہ آج جو قاتل ہے وہی منصف ہے اور وہی غمخوار بھی اور مقتولین کے غم میں نڈھال و بیقرار بھی، قاتل کے دستِ ظلم پرست پر شہداء کا لہو آج اگر زیرِ آستیں چھپا دیا گیا ہے مگر یہ فیصلہ دنیا کی نام نہاد عدالتوں سے نہیں تاریخ کے بے رحم ہاتھوں سے ہو جائے گا۔ ؏

جو چُپ رہے گی زبانِ خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

یَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ فَمَا لَهُ مِنْ قُوَّةٍ وَلَا نَاصِرٍ ـــــ خدا تعالیٰ کے ہاں ظلم و تشدد سے بڑھ کر اور کوئی بدترین جرم نہیں ـــــ تاہم ہم یہ واشگاف الفاظ میں واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ اگر خدا کی یہ زمین معصوم اور بے گناہ انسانوں کے خون سے یوں لالہ زار بنتی رہی، علماء حق کی عزت و آبرو اس طرح برسرِ عام رسوا کی

جاتی رہی تو اس ملک کا خدا ہی حافظ ہے۔

اکتوبر کے آغاز میں صوبۂ سرحد کے سابق گورنر اور وزیرِاعلیٰ ریٹائرڈ لیفٹیننٹ جنرل فضل حق کو بھی بعض سفاک، درندہ صفت اور شرم و انسانیت سے عاری تخریب کار قوتوں کا ہدف بننا پڑا جنہیں حد درجہ بیدردی اور سفاکی سے قتل کر دیا گیا۔ فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ہ

ہمیں اس وقت جنرل فضل حق کی ذات، شخصیت، کردار، خوبیوں یا کمزوریوں اور اپنی جتھہ بندیوں یا گروہی مفادات کے نقطۂ نظر سے نہیں خالصتاً ایک مسلمان اور خالص پاکستانی شہری کی حیثیت سے یہ سوچنا چاہیئے کہ اس واردات کا پس منظر کیا ہے؟ اس کے محرکات، عوامل اور پس پردہ اغراض و مقاصد کیا ہیں؟ اس اقدام سے کن قوتوں کے مفادات کو تحفظ ملا، کس دہشت گرد گروہ کی انا کی تسکین ہوئی؟ کس کی دھمکیاں اور ببانگ دہل انتقام کے چیلنج عملی اقدام کا روپ دھار رہے ہیں اور اب کون سی قوتیں متحرک ہیں اور کون کون ان کی پشت پناہی کر رہے ہیں؟ جنرل فضل حق کے قتل پر کہاں کہاں صفِ ماتم بچھنی چاہیئے تھی اور آج کس کے گھر خوشی کے شادیانے بجتے اور گھی کے چراغ جل رہے ہیں؟

ہمیں اس موقع پر اپنے بعض مذہبی اور نادان سیاستدان دوستوں پر رحم آتا ہے جنہیں دن کی روشنی میں بھی لہو ٹپکتے اور تلوار چمکتے ہاتھوں پر خواہ مخواہ آستینیں چڑھانے کی مذموم سعی کی ضرورت پیش آئی۔ جنہیں نہ تو عدالت نے طلب کیا تھا اور نہ کسی نے اہمیت دے کر ان سے کچھ پوچھا تھا، بلاضرورت وکیل صفائی بن کر بیان داغنے میں آخر کون ہے جو نہ سمجھے کہ یہاں کی دال میں کچھ کالے دانے ضرور ہیں۔

لہٰذا ہم اس گذارش کو اپنا دینی فرض اور ایمانی تقاضا سمجھتے ہیں کہ جناب! سیاست کاری اور بیان بازی میں ذاتی مفادات کے حصول یا بیرونی رافضی طاقتوں کا آلۂ کار بن کر سیاسی کیفیات کو بنیاد بنانے کے بجائے اصولی نظری، خالص دینی اور معروضی حقائق کو بنیاد بنانا چاہیئے۔ سطحی اور عبوری سیاسی مصلحتوں کی بنیاد پر خواہ مخواہ کی گواہیاں، انہاری صفائیاں اور بیان بازیاں کسی بھی جدوجہد، کسی بھی دینی تحریک یا جماعتی کاز کو کسی دوسری ہی طاقت بالخصوص رافضی قوتوں کی جھولی میں ڈال دے گی۔ لہٰذا ملک کی تمامتر سیاسی قوتوں بالخصوص خالص دینی مذہبی جماعتوں کی قیادت کو ایسی بیان بازی اور مفاد پرستانہ اور لادین سیاستکاری اور بیرونی قوتوں سے دور رہنا چاہیئے جو مسلمان محبین صحابہؓ، محافظینِ نظامِ خلافتِ راشدہ، سپاہیانِ تحفظِ ختمِ نبوت اور فدایانِ صحابہؓ بلکہ جمہورِ اہلِ سنت والجماعت کو ایک ہی صف میں کھڑا کر کے باڑھ مار دینا چاہتے ہیں۔ آج تمہاری در پردہ حمایتوں سے تمہارے جن بھائیوں کو قتل کیا جا رہا ہے کل جب تم تنہا رہ جاؤ گے تو تمہاری باری بھی لگائی جا سکتی ہے۔

یہ چرچہ پریس میں جارہا تھا کہ افغانستان میں گردیز کے محاذِ جنگ پر فاتح خوست مولانا جلال الدین حقانی کی کمانڈ میں حمیّتِ اسلامی سے سرشار اور جاں نثار مجاہدین کو اس آخری حساس نازک اور فیصلہ کن مرحلہ میں بھی روسی سامراجیت کے مقابلہ میں سرفروشی، قربانی، عزیمت اور استقامت کا مظاہرہ کرتے ہوئے شہادت کی سعادت سے سرفراز ہونا پڑا۔ تازہ ترین اطلاعات کے مطابق دارالعلوم کے بعض قدیم فضلاء، مختلف درجات کے طلبہ اور مختلف اوقات میں اس مادرِ علمی کے سایۂ عاطفت میں رہنے والے روحانی ابناء کی بھی ایک جماعت نے محاذِ جنگ اور کارزارِ حق و باطل کی فرسٹ لائن اور ہراول دستہ بن کر شہادت کی منزل حاصل کرتے ہوئے جہاد و عزیمت کی تاریخ میں مزید ایک شاندار باب کا اضافہ کردیا ہے۔

حیرت ہے کہ سپر پاورز روس و امریکہ جہاں ایک طرف افغانستان میں پرامن حالات، فوری جنگ بندی اور مسئلے کے حل کی تلاش میں باہم مذاکرات اور بعض افغان راہنماؤں سے ملاقاتیں کر رہے ہیں تو دوسری طرف ان ہی کی کٹھ پتلی نام نہاد نجیب حکومت انتہائی درجہ کی کمینگی اور ڈھیٹ بہیمیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہتے مجاہدین پر آگ کے شعلے برساتے ہوئے نیپام بموں کا استعمال کر کے اُن کے دعوائے عدل و انصاف اور تحریکاتِ قیامِ امن کا منہ چڑا رہی ہے ــــــ ایسے حالات میں افغان قیادت سمیت عالمِ اسلام بالخصوص حکومتِ پاکستان کا بھی فرض بنتا ہے کہ وہ روسی پہلوان اور امریکہ بہادر کی باہمی بندر بانٹ کی منصوبہ بندی کے تحت کسی بھی ایسے فارمولے کو آگے نہ بڑھنے دے جس سے افغان مجاہدین کی اکثریتی پارٹیاں اور میدانِ کارزار کے اصل مجاہدین متفق نہ ہوں یا جس سے قاتل و مقتول اور ظالم و مظلوم کو برابر کی حیثیت مل رہی ہو۔ خدانخواستہ اگر اب کی موجودہ نازک ترین اور حساس صورتحال میں کسی بھی سیاسی قوت نے خواہ وہ افغان قیادت ہو، کوئی اسلامی ملک ہو یا پاکستان کی حکومت ہو جہادِ افغانستان کو سبوتاژ کرنے، مجاہدین کے تیرہ ۱۳ سالہ جہاد کو تاراج اور لاکھوں شہداء کے خون سے استہزاء و تمسخر کے روسی امریکی مشترکہ خطرناک منصوبہ بندی میں دانستہ یا نادانستہ طور پر کوئی کردار ادا کیا یا چپ سادھ کر گونگے شیطان بنے بیٹھے رہے تو ملت کی تذلیل، اُمت کی اس بربادی اور اہلِ اسلام کے بھیانک اور غلام مستقبل کی تمامتر ذمہ داری ان کے سر ہوگی جسے نہ خدا معاف کرے گا اور نہ تاریخ!

نجیب اللہ انتظامیہ کی جانب سے ظلم و بربریت کا یہ نیا وحشیانہ انداز ہر لحاظ سے قابلِ مذمت اور مذبوحی حرکت ہے مگر عالمِ اسلام کی اس پرخاموشی اور حکومتِ پاکستان کا غیر ذمہ دارانہ رویہ اس سے بھی بدتر اور مذموم ہے۔

خدا کرے کہ پاکستان سمیت عالمِ اسلام افغانستان کی تازہ ترین اور فیصلہ کن صورتحال میں مؤثر اور انقلابی کردار ادا کرے جو افغانستان کو اسلام کا گہوارہ اور امن و استحکام کا گلستان بنادے۔ آمین

عبدالقیوم حقانی

مولانا عبدالقیوم حقانی

اُمتِ مسلمہ کا المیہ

ملّی وحدت، قومی تشخص اور اتحادِ اُمت کی راہ سے فرار کیوں؟

گذشتہ سال "فلسطینی خواتین نے لبنان کی ایک خبر رساں ایجنسی کے نمائندے کو انٹرویو دیتے ہوئے شتیلا کیمپ میں فلسطینیوں کی آپس کی لڑائی پر گہرے افسوس اور اضطراب کا اظہار کیا تھا، انہوں نے کہا مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمان بھائیوں کا قتل دیکھ کر ہماری گردنیں شرم سے جھک گئی ہیں اور ہمارا دل چاہتا ہے کہ ہم خودکشی کر لیں"

اس نوعیت کی بیسیوں خبریں گذشتہ کئی ماہ سے اخبارات میں چھپ رہی ہیں جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ برادرکشی بھی مسلمان کا شعار بن چکا ہے۔ صابرا اور شتیلا کیمپ میں مسلمانوں کی باہمی ناچاکی اور آئے دن کی لڑائیوں نے دُنیا کے سامنے جو مناظر پیش کیے ہیں اُن کے سامنے یہودی فوج کے مظالم کی سنگینی ماند پڑ گئی ہے۔ امل ملیشیا اور حزبُ اللہ نے فلسطینی مسلمانوں کو جس بے رحمی اور شقاوت سے گولیوں کا نشانہ بنایا اور اُن کا قتلِ عام کیا وہ یہودی فوج کی ہلاکت خیزی پر بازی لے گیا۔ اور اس میں انتہائی شرمناک پہلو یہ ہے کہ مرنے اور مارنے والے سب "مسلمان" اور اپنی اپنی جگہ اسرائیل کے حریف اور اس کے خلاف "جہاد" کے علمبردار تھے۔

لبنان کی یہ المناک صورتحال لبنان تک محدود نہیں ہے یہ پوری ملّتِ اسلامیہ کا المیہ بن چکی ہے اور خودکشی کر لینے کی جس نیت کا اظہار ہماری فلسطینی بہنوں نے کیا ہے وہ افریقہ و ایشیا کے بیشتر ممالک کی مظلوم بیواؤں، غمزدہ ماؤں، ستم رسیدہ بہنوں اور سر چھپانے کے سایہ سے بے کر شفقت و کفالت سے محروم لاکھوں حرماں نصیب بیٹیوں اور سوگوار بچوں کی آرزو بن چکی ہے ——— کوئی غزہ اور مقبوضہ بیت المقدس میں تباہ شدہ اور اُجڑے ہوئے خاندانوں کی خواتین کا حالِ دل جاننے کی کوشش کرے، کوئی افغانستان میں یا ایران اور پاکستان کے افغان مہاجرین کے کیمپوں میں افغان خواتین کے جذبات و احساسات سے آگہی کی زحمت فرمائے، کوئی ایران و عراق کی لاکھوں خواتین کی کیفیتِ قلبی کو اپنے شعور و ادراک کی سطح پر منتقل کرنے کی سبیل پیدا کرے، کوئی بھارت کے فساد زدہ علاقوں میں جا کر اُن خواتین کی بپتا سُنے جن کے شوہر، باپ، بھائی اور بیٹے ان کی آنکھوں کے سامنے ذبح کر دیئے گئے، جن کی جوان بچیاں بے آبرو ہوئیں یا اغوا کر لی گئیں، کوئی کراچی، حیدرآباد اور سرحد و پنجاب میں ہونے والے فسادات، تخریب کاری اور بمباری کا نشانہ بننے والے علاقوں میں زندہ درگور خواتین سے جا کر پوچھے کہ بی بی! اب جینے کی تمنا کتنی باقی ہے؟ تو سب کا ردِ عمل وہی ملے گا جس کا اظہار شتیلا کیمپ کی خواتین نے کیا ہے۔

بھارت اور مقبوضہ فلسطین کی خواتین کا دُکھ تو غیر مسلموں کا دیا ہوا ہے، وہ شاید صبر و شکر کے معاملہ میں دوسروں سے مختلف نظر آئیں لیکن لبنان، افغانستان، پاکستان، عراق، ایران اور شام وغیرہ کی مظلوم خواتین اپنی بربادی کا ذمہ دار کسے قرار دیں؟ افغانستان میں بلاشبہ روس کی مسلح افواج نے مظالم کے پہاڑ توڑے مگر اُن کی آمد کا راستہ کس نے ہموار کیا؟ ان کی پذیرائی اور معاونت کس نے کی؟ اور اب جبکہ فتح اور غلبہ کا نازک ترین مرحلہ قریب آن پہنچا ہے، ببرک کارمل اور نجیب کا کردار کون ادا کر رہا ہے؟ یہ بھی تو سب اپنے ہی ہم وطن اور اپنے ہی اہل خاندان و ہم قبیلہ لوگوں کا کیا دھرا ہے۔ مُسلم خواتین یا عام لوگ ابوموسیٰ اور یاسر عرفات کے نظریات اور اختلافات سے بے خبر ہیں، وہ نجیب اللہ اور مجاہدین کے اہداف اور سیاسی وابستگیوں کو نہیں جانتے، وہ تو اتنا جانتے ہیں کہ بظاہر دونوں مُسلمان ہیں پھر برسرِ پیکار کیوں ہیں؟

◎ بہر حال مسلم دنیا کی یہ مجموعی صورتحال خاصی تشویشناک ہے۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ دیبل کے ساحل پر ڈاکوؤں کے ہاتھوں لُٹنے والی ایک عورت حجاج بن یوسف کو مدد کے لیے پکارتی ہے۔ اور تاریخ میں انتہائی ظالم اور سفاک حکمران کی شہرت رکھنے والا یہ مسلمان بھائی اپنی مسلمان بہن کی پکار کا جواب عرب سے محمد بن قاسمؒ کی بحری لشکر کشی کی روانگی کی صورت میں دیتا ہے ـــــ لیکن آج غزہ میں، بیت المقدس میں، بھارت میں، افغانستان میں، پاکستان میں، بنگلہ دیش میں، افریقہ کے قحط زدہ علاقوں میں، جنوبی افریقہ اور حبشہ اور آزاد ہونے والی رُوسی مسلم ریاستوں میں لاکھوں مظلوم مسلم خواتین کی پُکار اور چیخیں فضا میں گونج رہی ہیں ـــــ مگر اپنے ملک کے حکمران ہوں یا مسلم دُنیا کے حاکمانِ وقت، سب پر سکوتِ مرگ طاری ہے۔ ان میں جن کے ضمیر میں زندگی کی کوئی رمق یا ایمان کی کچھ حرارت باقی ہے اُن کے عملی اقدامات کی حدود بھی اظہارِ تعزیت و ندامت یا زیادہ سے زیادہ کسی قرارداد کی منظوری اور راس کی سالانہ مشق سے آگے نہیں بڑھتیں ـــــ اگر ایسا نہ ہوتا تو پانچ کروڑ عربوں میں گھرا ہوا تیس لاکھ یہودیوں کا اسرائیل یوں مہینوں غزہ اور مقبوضہ بیت المقدس میں مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو ذبح نہ کر پاتا، لبنان مقتل میں تبدیل نہ ہوتا، افغانستان قتل گاہ نہ بنتا، شتیلا کیمپ کی مظلوم خواتین کو زندہ رہنے پر خودکشی کر لینے کو ترجیح دینے کی ضرورت پیش نہ آتی، جہادِ افغانستان اب کے نازک ترین اور حساس مرحلے میں باہمی آویزشوں، ناچاکیوں اور کشت و خون کی ہولناکیوں میں تبدیل نہ ہوتا۔

مسلم دنیا کی اس المناک صورتحال کے پیشِ منظر ذیل میں اجمالاً ایک تجزیہ اور اس کے پس منظر اور اسباب پر محض ایک سرسری گفتگو پیشِ خدمت ہے اور اگر آپ بھی قدرے تامل سے غور فرمائیں تو حسبِ ذیل عوامل اُبھر کر سامنے آتے ہیں:۔

قرآن حکیم نے سورۃ بقرہ کی ابتدائی دس آیات میں پوری انسانیت کو صرف تین گروہوں میں تقسیم فرمایا ہے۔ ایک

خدا کو ماننے والے مومنین، دوسرے نہ ماننے والے کافرین اور تیسرے منافقین۔ پہلے کو فلاح کی نوید سنائی ہے دوسرے کو عذابِ عظیم کی خبر دی ہے اور تیسرے کو دردناک عذاب کی وعید سنائی ہے ــــ انسانیت کی یہ تقسیم خالص عقائد اور اعمال کی بنیاد پر ہے۔ جہاں تک نسلی بنیاد پر اس کی تقسیم کا تعلق ہے قرآن اسے حضرت آدمؑ کی اولاد قرار دیتا ہے جس کا جوڑا حضرت حواؑ بھی اسی سے پیدا کی گئی ہے۔ وہ شعوب و قبائل میں انسان کی تقسیم کا ذکر محض ان کی شناخت کی خاطر کرتا ہے ــــ لفظ "قوم" قرآن مجید میں صرف فکر و عقیدے کے اشتراک سے بننے والے گروہ کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ ایک ہی علاقے، نسل، زبان اور تہذیبی اکائی سے تعلق رکھنے والے مصری، قوم فرعون اور قوم موسیٰ میں تقسیم کر دیئے گئے ہیں۔ اور مکہ و مدینہ کے خونی رشتوں میں جڑے ہوئے ایک ہی علاقے اور زبان و نسل کے لوگ "قوم الکافرین، قوم المنافقین اور قوم المومنین" میں تقسیم کر دیئے گئے ہیں۔ قرآن حکیم اعمال ہی کی بنیاد پر "قوم الظالمین، قوم الفاسقین اور قوم المجرمین" کی اصطلاحات استعمال کرتا ہے ــــ قرآن حکیم کا پورا خطاب ان ہی حوالوں سے ہے۔ وہ انسان کو کالا، گورا، عربی، عجمی، مشرقی، مغربی یا کسی اور جغرافیائی اور نسلی امتیاز کی بنیاد پر مخاطب نہیں کرتا، مگر آج کے تصورِ قومیت نے ہمارے ملی وجود کو بکھیر دیا ہے۔ ریاستوں کی تقسیم سے ملت تقسیم ہو گئی اور خود ریاستوں کے اندر نسلی، لسانی اور علاقائی قومیتوں کے تصورات اس سیاسی وحدت کو بھی پارہ پارہ کر رہے ہیں۔ ہم پاکستانی اس گمراہ کن تصور کے ہاتھوں اپنے وطنِ عزیز کو دو لخت ہوتے دیکھ چکے ہیں، اور اب کچھ غیر ملکی گماشتے اور تنگ نظر لوگ اس میں مزید ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے درپے ہیں۔ یہ محدود اور تنگ نظر تصورِ قومیت مسلمانوں کو کبھی اوپر نہیں اٹھنے دیتا بلکہ انہیں پستی کی طرف دھکیلتا اور اسفل سافلین کی پست ترین سطح پر پہنچا کر دم لیتا ہے۔

○ مراکش سے انڈونیشیا تک پھیلنے والی ایک ارب سے زائد مسلمانوں پر مشتمل امتِ مسلمہ اپنی وحدت و اجتماعیت کا وہ شعور کھو بیٹھی ہے جو اس نے نوآبادیاتی دور میں بھی زندہ و توانا رکھا تھا۔ اس کا امتِ واحدہ کا تصور نسلی، علاقائی اور لسانی بنیادوں پر تصورِ قومیت سے مغلوب ہو گیا ہے اور اس کے اندر ایک جسم کے مربوط، متحرک اور معاون اعضا والی کیفیت بتدریج ختم ہوتی جا رہی ہے۔ اس مرض نے ایک دوسرے سے ذہنی اور قلبی وابستگی کے رشتوں کو کمزور، دکھ درد میں شرکت کے احساس کو مردہ اور ایک دوسرے کی مدد کے لیے اضطراب، بے چینی اور عملی اقدامات کی جستجو و پیش رفت کو مفلوج بنا کر رکھ دیا ہے۔ اپنائیت کی جگہ بے اعتنائی نے اور مدد و تعاون کی جگہ گریز پائی نے لے لی ہے۔ حالانکہ اسلام تنگی سے وسعت کی طرف بڑھنے اور آفاقی نقطۂ نظر اختیار کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

وہ قوم جس کے راہنما ہمیشہ سے اسلام کی آفاقیت کی دعوت دیتے رہے تھے تحریکِ خلافت کے

ذریعہ سلطنتِ عثمانیہ کے تحفظ کی جنگ جو صغیر میں لڑ رہے تھے، فلسطین کے مسلمانوں کی مدد کے لیے وفود بنا کر بھیج رہے تھے، جس کے علماء ریشمی رومال کی تحریک کے دوران ترکِ وطن کر کے افغانستان میں پناہ لے رہے تھے، بریلی اور دہلی سے چل کر بالاکوٹ میں جانیں دے رہے تھے، وہ قوم آج کس مقام پر آکھڑی ہے؟ ——

آج اپنے پڑوس میں افغانستان اور کشمیری مسلمانوں کی آزادی کے لیے کوئی اضطراب کی لہر بھی ہمارے سینوں میں نہیں اٹھتی —— یہ ہماری دیکھتی آنکھوں کا منظر کیوں بنتا جا رہا ہے؟ فکر کی بلندی، سخن کی جان نوازی اور جان کی پُرسوزی کہاں رخصت ہو گئی؟ عشق کی آگ کیوں بجھ گئی؟ مسلمان راکھ کا ڈھیر کیوں بن گیا؟ یہ سب فکری زوال و انحطاط کا نتیجہ اور تنگ نظری کا شاخسانہ ہے۔ جو مذہب رنگ و نسل، علاقوں اور زبانوں کے بتوں کو پاش پاش کر کے اور محض عقیدے کی بنیاد پر ملتِ واحدہ کی تشکیل دینے کے لیے نازل ہوا تھا، اس کے پیروکار اگر انہی بتوں کے محافظ اور پجاری بن جائیں تو انہیں عہدِ جاہلیت کی قبائلی خونریزی اور بے دردی کے جہنم میں گرنے سے کون بچا سکے گا؟ جن کے اسلاف نے بدر و حنین میں ایمان کے رشتوں کی خاطر باپ بیٹے، بھائی، چچا اور ماموں کے سر قلم کر دیے تھے وہ ان رشتوں پر اپنے دینی بھائیوں کا قتلِ عام کرنے پر تُل جائیں تو اُن پر نزولِ رحمت ہو گا یا عذاب کا کوڑا برسے گا؟ اس کا اندازہ ہر صاحبِ ایمان آسانی سے کر سکتا ہے۔

◎ اس صورتحال کا دوسرا بڑا سبب یہ ہے کہ سیاسی سطح ہی پر نہیں دینی سطح پر بھی مسلمان وسیع النظر قیادت سے محروم ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اب سے نصف صدی قبل تک مسلمانوں کے تمام روایتی مسالک اسی طرح موجود تھے جس طرح آج ہیں لیکن ان کے اختلافات مدارس کی چاردیواری تک تھے۔ سیاسی میدان میں دینی شناخت رکھنے والی شخصیات پوری اُمت سے مخاطب ہوتی تھیں، ان کی توجہ اور فکرمندی کا دائرہ برصغیر کے تمام مسلمانوں کی اجتماعی فلاح و بہبود اور آزادی و ترقی پر محیط تھا۔ وہ اپنے مخصوص علاقے، خاص نسل، زبان اور مذہبی مسلک سے مربوط ہونے کے باوجود مسلم قوم کے راہنما اور ان کے ترجمان کی حیثیت سے پہچانے جاتے تھے۔ مگر آج مسلمانوں کی اجتماعی قیادت کرنے والی شخصیات کا فقدان ہے۔ کوئی پختون راہنما ہے تو کوئی بلوچ راہنما، کوئی سندھی راہنما ہے تو کوئی مہاجر راہنما، کوئی پنجابی راہنما ہے تو کوئی بنگالی راہنما —— دینی قیادت بھی نظریاتی حد تک اُمتِ واحدہ کے تصور کی علمبردار ہے لیکن عملاً مسلکوں کی دائرہ بندی میں محصور ہے —— بظاہر ان کی فکر آفاقی اور تصورِ قومیت اسلامی ہے مگر ان کا رابطہ اجتماعی نہیں انتخابی ہے۔ اگر اسے کہنا سوءِ ادب نہ ہو تو یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم قیادت کے لحاظ سے بونوں اور چھوٹے لوگوں کے عہد میں جی رہے ہیں۔ وسیع النظر قیادت قوم کو پستی سے اٹھا کر ہمیشہ وسعت و رفعت کی طرف لے جاتی ہے اور کم ظرف و تنگ نظر قیادت اس کے اعضاء و اجزاء کو توڑتی، بکھیرتی اور موت کے گھاٹ اتارتی ہے۔

کسی قوم کی بدنصیبی اور تباہی کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ اس کی قیادت کم ظرف لوگوں کے ہاتھوں میں چلی جائے اور افرادِ قوم اپنے گرد مختلف تعصبات کے دائرے کھینچ کر اس میں محصور رہنے پر رضامند ہو جائیں۔ ہم نے تحریکِ پاکستان اور تحریکِ نظامِ مصطفےٰ کے دوران مختلف مسالک اور نظریات رکھنے والے راہنماؤں، علماء کرام اور دینی قوتوں کے اتحاد کی طاقت اور پھر منبر و محراب سے لیکر گلی کوچوں تک ان کے باہمی سر پھٹول کے نتائج اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ مسلمانوں کی قوت و شوکت اور ان کی حفاظت و سلامتی علماء اور محبِ اسلام و وطن سیاسی راہنماؤں کے اتحاد میں مضمر ہے۔ یہ اتحاد چونکہ آجکل پارہ پارہ ہے اس لیے قوم کا دامن بھی تار تار ہے۔

◎ مسلم دنیا کی المناک صورتحال کا ایک اور بڑا سبب اس بدیہی حقیقت کے ادراک سے محرومی ہے کہ اشتراکیت، عیسائیت، صیہونیت اور ہندومت سب نے اسلام کے خلاف اپنے مشترکہ جذبۂ عناد کی خاطر عالمِ اسلام کو جارحیت، داخلی تخریب کاری، معاشی استحصال اور سیاسی سازشوں کا مرکز بنالیا ہے۔ خلیج کی جنگ، امریکہ کا نیا عالمی نظام، مسئلہ کشمیر میں یہودی حکومتوں کا مؤقف، افغانستان کے مسئلہ پر روسی امریکی اتحاد اس کا بین ثبوت ہیں۔ آج دنیا بھر سے جنگوں کی بساط لپیٹ کر مسلم دنیا کو میدانِ جنگ میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ عالمِ اسلام اس وقت الحاد، کفر اور شرک کی جملہ قوتوں کی مشترکہ یلغار کی زد میں ہے مگر مسلمانوں کو اس کا شعور اور احساس نہیں ہے۔

آج تمام بیرونی طاقتیں مسلمانوں کو سیکولر سیاست کی پٹی پڑھاتی ہیں تاکہ انہیں اسلام کے سرچشمۂ قوت سے کاٹ دیا جائے۔ وہ اسرائیل کے یہودی ہوں یا امریکہ اور برطانیہ کے عیسائی، روس کے ملحد ہوں یا بھارت کے ہندو، سب اپنے اپنے مذہب اور عقیدے پر منظم اور اپنے تعصبات میں انتہائی کٹر ہیں۔ اُن کی بین الاقوامی سطح پر شیرازہ بندی عقائد و نظریات ہی کی بنیاد پر ہے۔ وہ خود تو اس سے قوت و غلبہ حاصل کرتے ہیں لیکن مسلمانوں کے پاس سے وہ یہ سرمایہ چھین لینا چاہتے ہیں تاکہ وہ کوئی اجتماعی قوت نہ بن سکیں اور ٹکڑیوں میں بٹ کر ان کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن کر ایک دوسرے کو فنا کے گھاٹ اُتار سکیں۔

نعرۂ تکبیر، اسلام زندہ باد اور مسلمانوں کا باہمی اعتماد و اتحاد اُن کے لیے موت کا پروانہ ہے۔ لہٰذا تمام دشمنانِ اسلام مسلمانوں کے اندر نقب زن قوتوں کو پروان چڑھا کر ان سے اپنا کام لے رہے ہیں اور ستم ظریفی یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک خود کو خادمِ اسلام سمجھے بیٹھا ہے۔

ہماری بربادی کے اسباب اور بھی ہیں مثلاً طبقاتی نظامِ تعلیم، صنعت و حرفت میں پسماندگی، دفاع میں بیرونی انحصار اور مغربی نظامِ سیاست وغیرہ۔ اگر ہم مندرجہ بالا مذکورہ اسباب پر ہی سنجیدگی سے کچھ توجہ دے سکیں تو ہماری ماؤں، بہنوں اور بچیوں کو خودکشی کا ارادہ ظاہر کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔

●

مولانا محمد شہاب الدین ندوی ناظم فرقانیہ اکیڈمی بنگلور، انڈیا

حیاتِ ثانی کا ثبوت
سائنسی نقطہ نظر سے

تمہید | یہ مقالہ راقم سطور کی ایک ضخیم کتاب "قرآن حکیم اور علم نباتات" کا ایک باب ہے جو غیر مطبوعہ ہے اس مضمون میں قیامت کے وقوع پر سائنٹفک نقطہ نظر سے بحث کرتے ہوئے اس کے اثبات میں نظام فطرت سے علمی دلائل و شواہد پیش کئے گئے ہیں جنہیں قرآن "آیات" اور "آیات اللہ" کہتا ہے۔ وقوع قیامت پر ہر دور میں منکرین و معاندین کو شکوک و شبہات پیش آتے رہے ہیں۔ اور موجودہ سائنسی دور میں تو ملحدین و مادہ پرست اسے ایک شاندار گپ اور غبیاوپرستوں کی ٹانک قرار دیتے ہیں)۔ مگر وہ سائنٹیفک نقطۂ نظر سے ایک عقلی اور ممکن الوقوع چیز ہے اور خاص کر دنیائے نباتات اور علم جنین میں اس کی شہادتیں ملتی ہیں۔ اور اس آفاقی صداقت کو جھٹلانے والی کوئی چیز اس کائنات مادی میں موجود نہیں ہے۔

لیس لوقعتھا کاذبۃ (سورۂ واقعہ ۲)

توحید اور یوم آخرت | قرآن حکیم میں مظاہر عالم میں غور و خوض کر کے ان میں موجود شدہ اسباق و بصائر سے عبرت حاصل کرنے کی جو تاکید نوعِ انسانی کو کی گئی ہے اس کا اہم ترین مقصد اسلامی عقائد کا اثبات ہے اور اسلامی عقائد میں توحید، رسالت اور معاد (یوم آخرت) کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ ان کی حیثیت اساسی عقائد کی سی ہے۔ اور ہر دور میں انسان کو ان ہی تین امور میں شکوک و شبہات پیش آتے رہے ہیں اور ان کے اثبات کے لئے انبیائے کرام کا ورود ہوتا رہا ہے۔ اور موجودہ "سائنسی دور" میں تو گویا اس قسم کی چیزوں کو دقیانوسیت یا "تاریک دور" کی نشانی تصور کیا جاتا ہے۔ گویا کہ موجودہ سائنسی دور میں خدا اور قیامت کا نام لینا کوئی "جرم" یا کسی "دماغی خلل" کا نتیجہ ہے۔ اور بعض مسلم فلاسفہ بھی "معاد جسمانی" کے منکر اور صرف "بقائے نفس" کے قائل نظر آتے ہیں۔ یعنی وہ کہتے ہیں کہ عذاب و ثواب اور تکلیف و راحت وغیرہ سب روحانی ہیں نہ کہ جسمانی[1] کیونکہ ان کے نزدیک "اعادۂ معدوم" ناممکن اور محال ہے غرض ہر دور کا انسان "معادِ جسمانی" یعنی جسم کو اس کے تمام اجزا و عناصر سمیت دوبارہ لوٹائے جانے کو عقلی اعتبار سے ناممکن تصور کرتا رہا ہے۔ اور منکرین خدا تو اسے ایک نرالی اور انوکھی بات تصور کیا

---

[1] ملاحظہ ہو الکلام از علامہ شبلی نعمانی ص ۱۵۱۔ مطبوعہ شبلی بک ڈپو لکھنؤ ۱۳۴۰ھ

کرتے تھے۔ جیساکہ خود قرآن حکیم نے مشرکین کے شبہات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:-

وقالواءاذا کنا عظاما ورفاتا ءانا لمبعوثون خلقا جدیدا ہ

وہ کہتے ہیں کہ کیا جب ہم ہڈیاں اور (مٹی میں گل سڑ کر) چورا چورا ہو جائیں گے تو پھر نئے سرے سے اٹھائے جائیں گے؟ (بنی اسرائیل ۴۹)

یقولون ءانا لمردودون فی الحافرۃ ۔ ءاذا کنا عظاما نخرۃ

وہ (تعجب سے) کہتے ہیں کہ کیا ہم پہلی حالت پر لوٹائے جائیں گے؟ کیا اس وقت جب کہ ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو چکے ہوں گے؟ (نازعات ۱۰،۱۱)

چونکہ دین و شریعت کی تعلیمات پر عمل کرنے کے لئے سب سے پہلے عقائد کی تنقیح ضروری ہے اور عقائد میں سب سے زیادہ اہمیت توحید، رسالت اور معاد کی ہے۔ اس لئے قرآن حکیم میں ان بنیادی عقائد کے اثبات کے لئے سارا زور صرف کر دیا گیا ہے اور ان کے اثبات کے لئے محض عقلی دلائل بیان کرنے ہی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ نظام فطرت کے دلائل سے بھی تعرض کیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو اس ڈھنگ سے پیدا کیا ہے کہ یہاں کا ایک ایک ذرہ تک توحید، رسالت اور اثباتِ قیامت کی گواہی دے رہا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اس عالم رنگ و بو میں غور و خوض سے انتہائی منظم قوانین اور نظم و ضبط کا پتہ چلتا ہے جن میں وحدت پائی جاتی ہے۔ یعنی مختلف اشیا اور ان کے تحیر خیز نظامات مل کر باہم ایک عظیم الشان مشین کا نمونہ پیش کرتے ہیں جو "توحیدِ باری" کی واضح دلیل ہے اور ان قوانین میں انتہائی درجہ حکمت، بالغ نظری اور قوتِ ارادی کا پتہ چلتا ہے۔ جو باری تعالیٰ کی ربوبیت کی دلیل ہے۔ بغرض انسان مظاہر کائنات، اُن کے احوال و کوائف اور اُن طبیعی ضوابط میں جس حیثیت سے بھی غور کرے لامحالہ طور پر اس کے سامنے اولین طور پر وجود خداوندی اور اس کی وحدت (توحید) کے شواہد سامنے آئیں گے۔ گویا کہ دنیا کی ہر چیز اپنی زبان حال سے وحدت خداوندی کی شہادت فراہم کر رہی ہے۔ اور یہ سارے دلائل و شواہد قرآن مجید کے بیانات و تصریحات کے عین مطابق ہیں، جن سے رسالتِ محمدیؐ کا اعجاز اور اس کی حقانیت ثابت ہوتی ہے۔

اور پھر یہی نہیں بلکہ یہ تمام مظاہر حیرت انگیز طور پر یوم آخرت کی بھی گواہی دیتے نظر آتے ہیں خصوصیت کے ساتھ پیڑ پودوں کی حیاتیاتی زندگی میں قیامت کا ثبوت اور اس کی جھلکیاں واضح طور پر دکھائی دیتی ہیں اور اس اعتبار سے دنیائے نباتات میں توحید، رسالت اور یوم آخرت کی شہادت پوری وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔ لہٰذا اس موقع پر اس سلسلے کے چند اسباق و بصائر اختصار کے ساتھ پیش کئے جاتے ہیں۔ تاکہ نوع انسانی ان پر غور کر کے کلام الٰہی کی صداقت و حقانیت کا مشاہدہ کرے جو اس کے لئے ہدایت و راہنمائی کا باعث بن سکتی ہیں۔

قرآن حکیم اور دلائل آفاق چنانچہ قرآن مجید میں جگہ جگہ مختلف مظاہر عالم کا تذکرہ کر کے نوعِ انسانی کو ان کے طبعی احوال و کوائف میں تفکر و تدبر کرنے اور ان کے حیرت انگیز نظاموں کا کھوج لگانے کی تاکید مختلف پیرایوں میں کی گئی ہے۔ مثلاً پیڑ پودوں کے چند اہم ترین مظاہر کی طرف توجہ مبذول کرانے کے بعد ارشادِ باری ہے :۔

ان فی ذلکم لاٰیٰتٍ لقوم یومنون ٥

ان میں ایمان لانے والوں کے لئے خدائی نشانات موجود ہیں۔ (انعام ۹۹)

ایک دوسری جگہ نباتات کے مختلف خواص اور ان کے ذائقوں کی جانب توجہ مبذول کراتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے :۔

ان فی ذالک لاٰیٰتٍ لقوم یعقلون ٥

اس میں عقل مندوں کے لئے بڑی نشانیاں موجود ہیں۔ (رعد ۴)

اس قسم کی بہت سی آیتیں ہیں جن کے ذریعے نوعِ انسانی کو دنیا بھر کی تمام اشیاء میں غور و خوض کر کے ان سے صحیح نتائج اخذ کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ اور اُن نتائج کی رُو سے خاص کر توحید اور یوم آخرت کا اثبات مقصود ہے۔ مثال کے طور پر اوپر مذکور سورۂ رعد کی آیت کے بعد ارشاد ہے۔

وان تعجب فعجبٌ قولھم ءاذا کنّا ترابًا ءانا لفی خلقٍ جدید ٥

اگر تم کو تعجب ہی کرنا ہو تو ان منکرین کا یہ کہنا عجیب معلوم ہوگا کہ جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو کیا نئے سرے سے پیدا کئے جائیں گے؟ (رعد ۵)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ نظام کائنات کے سائنٹیفک مطالعہ کے بعد حشر جسمانی یا دوبارہ زندگی کا انکار کرنا قرآن کی نظر میں ایک غیر سائنٹیفک بات ہے۔ بہرحال پچھلے صفحات میں توحیدِ باری کے ثبوت میں کافی سائنٹیفک دلائل پیش کئے جا چکے ہیں۔ اب اس موقع پر یوم آخرت اور "اعادۂ جسمانی" کے ثبوت میں بعض دلائل و براہین پیش کئے جاتے ہیں، جسے تسلیم کرنے میں منکرینِ خدا کو بڑا اشکال نظر آتا ہے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلی اور بنیادی حقیقت یہ ہے کہ جس طرح حیوانات کے چند مخصوص عادات و اطوار ہوتے ہیں اسی طرح نباتات کے بھی چند مخصوص "عادات و اطوار" ہوتے ہیں جن کو ہم نباتات کی "سیرتیں" کہہ سکتے ہیں۔ سائنس کی اصطلاح میں ان عادات و اطوار کو "فعلیات" یا فزیالوجی PHYSIOLOGY کہا جاتا ہے۔ اور جیسا کہ پچھلے مباحث سے واضح ہو گیا نباتات کی یہ "فعلیاتی سرگرمیاں" بظاہر ان کا ایک "خودکارانہ عمل" معلوم ہوتا ہے مگر مادہ پرستانہ نقطۂ نظر سے اس کی تشریح و توجیہہ ممکن نہیں ہو سکتی۔ مادہ

پرست ان کی بند صفی سرگرمیوں کو کسی حیوان یا نبات کی "جبلت" یا اس کی فطرت" کہتے ہیں، گویا کہ وہ ہمیشہ سے موجود ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ ہر نوع کی الگ الگ جبلت یا فطرت کس طرح وجود میں آئی ؟ تو مادہ پرست اس کی تشریح "نظریۂ ارتقاء" کے ذریعہ کرتے ہیں۔ مگر یہ ایک غیر سائنٹیفک نظریہ بلکہ محض ایک مفروضہ ہے جو ناقابل ثبوت ہے۔

بہر حال نباتات کی سیرتوں میں ایسے بہت سے "مسائل" موجود ہیں جہاں پر مادیت اور فلسفۂ ارتقاء کو ہتھیار ڈالنے پڑتے ہیں۔ جہاں پر ظاہری اسباب و علل کی گاڑی نہیں چلتی ہے اور لا محالہ طور پر ایک مسبب الاسباب ہستی کا وجود تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ اور یہی وہ مواقع ہیں جن کو قرآن کی اصطلاح میں "آیات" کہا جاتا ہے جن کا دوسرا نام "دلائل آفاق و الفنس" بھی ہے۔ یعنی نظام فطرت کے شواہد۔ اور اس اعتبار سے نباتات کی "سیرتوں" یعنی ان کی فعلیاتی سرگرمیوں" میں نہایت اچھوتے اور حیرت انگیز طور پر حیات ثانی یا وقوعِ قیامت کے دلائل و شواہد بھی ودیعت کردئے گئے ہیں۔ چنانچہ نباتات کے منظم اور سائنٹیفک مطالعہ کے ذریعہ ہم بخوبی مشاہدہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مردہ جسموں کو کس طرح زندہ کرے گا ؟ گویا کہ نباتات ہمارے لئے حیاتِ ثانی کا ناقابل تردید ثبوت فراہم کر رہے ہیں۔ مگر انسان نباتات کے اس حیران کن مظاہرہ پر چونک نہیں رہا ہے۔ اور اس پہلو سے آنکھیں بالکل بند کئے ہوئے ہے۔ قرآن حکیم نے چودہ سو سال پہلے اس سلسلے میں جو دعوے کئے تھے اور وقوعِ قیامت پر نباتات کی سیرتوں سے جو استدلال کیا تھا اس کے سائنٹیفک دلائل و شواہد آج علوم سائنس کی ترقی کی بدولت کھل کر ہمارے سامنے آگئے ہیں۔ چنانچہ اس موقع پر بعض قرآنی بیانات و تصریحات کی روشنی میں علم نباتات BOTANY کے بعض مباحث کا جائزہ لیتے ہوئے اس سلسلے میں چند دلائل و شواہد پیش کئے جاتے ہیں۔

حیاتِ ثانی کے دلائل زیر بحث عظیم الشان آیت (انعام ۹۹) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تصریح کے مطابق یوم آخرت کے دلائل مذکور ہیں۔

(ان فی ذالکم لآیٰتٍ لقومٍ یومنون) قال ابن عباس: یصدقون أن الذی أخرج هذا النبات قادرٌ علی ان یحیی الموتی[1]

یعنی جو عظیم ہستی ان نباتات کی خالق ہے وہ مُردوں کو دوبارہ زندگی بخشنے کی بھی قدرت رکھتی ہے واقعہ یہ ہے کہ ان لاکھوں انواع و اقسام کے پیڑ پودوں میں سے ہر ایک اپنے تحیر خیز نظاموں کی بدولت قدرت خداوندی کا ایک عجیب و غریب "تخلیقی معجزہ" کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ "ظاہری اسباب و

[1] زاد المسیر فی علم التفسیر، ابن جوزی: ۹۶/۳ دمشق ۱۳۸۵ھ

علل" کی رُو سے اس کے بے مثال نظم و ضبط کی توجیہہ نہیں ہوتی۔ لہٰذا ہر ایک پیڑ پودا ایک "خارق عادت" معجزہ سے کسی بھی طرح کم نہیں ہے۔ روئے زمین پر لاکھوں قسم کے نباتات پائے جاتے ہیں[1] جن میں سے کچھ ظاہری شکل و صورت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں (مشتبہ) اور کچھ باہم مختلف و متضاد بھی (غیر متشابہ) مگر اس کے باوجود نقاشِ فطرت ہر پیڑ پودے کے "نیچر" کی پوری پوری حفاظت کر رہا ہے۔ حتیٰ کہ ان کا ایک عنصر اور ایک جوہر تک ادھر سے اُدھر نہیں ہو رہا ہے۔ ہر پیڑ پودا اپنے ہی نوعی خواص کو لے کر اس طرح برآمد ہو رہا ہے کہ اس کے اجزا و عناصر بالکل نپے تلے نظر آتے ہیں۔ کیا مجال ہے کہ ایک ایٹم تک ادھر سے ادھر ہو جائے۔ اب قابلِ غور بات یہ ہے کہ جو قادرِ مطلق ہر ہر نوع کے پیڑ پودے کو چاہے ان کی تعداد کروڑوں اربوں تک کیوں نہ پہنچ جائے جب ان کے "نوعی خواص" کی کامل دیکھ بھال کر سکتا ہے تو کیا اسی طرح انسانوں کو بھی ان کے متعین "اجزا و عناصر" عطا کر کے پھر انہیں دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا؟ اور انہیں منصۂ شہود پر لا نہیں سکتا؟ آخر یہ بات ناممکن کیونکر ہو سکتی ہے؟

اسی بنا پر فرمایا گیا ہے کہ اس کی خلاقیت کا نظارہ کرنا ہو تو قرآن کی تصریح "مشتبہًا و غیر متشابہ" کے مطابق ان نباتات کی "مشابہتوں" اور ان کے "اختلافات" کا جائزہ لو تا کہ تمہیں اس کی وسیع قدرت و ربوبیت کا اندازہ ہو سکے۔ چنانچہ مختلف تفسیروں میں ان الفاظ کی تشریح اس طرح کی گئی ہے۔

۱۔ بیشتر اقسام کے پھل اور میوے دیکھنے میں تو "ملتے جلتے" معلوم ہوتے ہیں مگر ذائقہ میں "الگ الگ" ہوتے ہیں۔

۲۔ پتیاں ملتی جلتی اور پھل مختلف۔

۳۔ بعض باتوں میں ملتے جلتے اور بعض میں مختلف۔[2]

امام رازیؒ تحریر کرتے ہیں:۔

پھلوں کے مختلف طبائع اور ان کے تغیرات افلاک کی تاثیر کا نتیجہ نہیں بلکہ ایک مدبر اور قادرِ مطلق ہستی کے وجود کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔[3] اور مفسر ابو سعود نے بھی تقریباً یہی بات تحریر کی ہے۔[4]

ان نباتات کی ان سبزیوں سے انسانوں کے "اعادۂ اجسام" پر استدلال یہ ہے کہ جو قادرِ مطلق ہر ہر نوع کے چہرہ مُہرہ، شکل و صورت، رنگ و لون، خواص و طبائع اور اس کے مخصوص اجزاء و عناصر کی کامل نظم و ضبط کے ساتھ اس کی نگرانی کر رہا ہے۔ بلکہ ہر سال موسمِ بہار میں انہی تمام خواص اور

---

[1] ایک جائزہ کے مطابق چار لاکھ سے زیادہ، دیکھئے ایسموس گائیڈ ٹو سائنس ۲/ ۳۰

[2] تفسیر کبیر امام رازی ۱۳/ ۱۱۰، تفسیر ابن جوزی ۳/ ۹۴ [3] تفسیر کبیر ۱۳/ ۱۱۱ [4] تفسیر ابو سعود ۳/ ۱۶۷

انہی تمام اجزاء و عناصر کے ساتھ ان کا "اعادہ" بھی کر رہا ہے۔ اس اعتبار سے گویا کہ ہر پیڑ پودا ہر سال اپنے نئے جلووں کے ساتھ "حیاتِ ثانی" یا قیامت کا نظارہ پیش کر رہا ہے۔ اب قابلِ غور بات یہ ہے کہ وہ خدائے برتر جو نباتات کی دنیا میں ہر سال قیامت کا نظارہ دکھا رہا ہو کیا وہ اس بات پر قادر نہیں ہے کہ انسانوں کو بھی اسی طرح ان کے مخصوص چہروں مہروں، شکل و صورت، رنگ و روپ اور ان کے مخصوص اجزاء و عناصر کے ساتھ دوبارہ نکال کر کھڑا کر دے؟ آخر یہ بات محال یا ناممکن کس طرح ہو سکتی ہے؟

غرض بعض پودے یک سالہ ہوتے ہیں۔ خاص کر اناج کی کھیتیاں، جو ایک فصل دینے کے بعد ختم ہو جاتی ہیں بعض دو سالہ ہوتے ہیں اور بعض کثیر سالہ مگر جو پیڑ پودے کثیر سالہ ہوتے ہیں ان کے پتے ہر سال پت جھڑ کے موسم میں خشک ہو کر جھڑ جاتے ہیں۔ پھر موسم بہار میں وہ نئے سرے سے نمودار ہوتے ہیں بعض درخت سدا بہار بھی ہوتے ہیں۔ مگر اکثر و بیشتر ہر سال نئی بہار اور "نئی قیامت" کا نظارہ پیش کرتے ہیں۔

کسی پیڑ پودے میں سبز ذرات جب تک زندہ یا مصروفِ عمل رہتے ہیں سبزہ بھی برقرار رہتا ہے مگر جیسے ہی یہ ذرات مر جاتے ہیں سبزہ بھی زائل ہو جاتا ہے اور اس کی شادابی ختم ہو جاتی ہے۔ اس اعتبار سے پتیوں میں موجود سبز ذرات کسی پیڑ پودے کی سرسبزی و شادابی برقرار رکھنے میں بہت بڑا رول ادا کرتے ہیں۔

خلیہ کے عجائب و اسرار جیسا کہ تفصیل گزر چکی تمام حیوانات و نباتات کے اجسام نہایت درجہ ننھے ننھے خانوں (خلیوں) کا مجموعہ ہوتے ہیں جو صرف خوردبین ہی سے نظر آتے ہیں۔ ہر خلیہ میں ایک زندہ متحرک، لیسدار اور چپچپا مادہ بھرا رہتا ہے۔ جسے مادۂ حیات (پروٹوپلازم) کہا جاتا ہے۔ اور ہر خلیہ پروٹوپلازم کی ایک اکائی (یونٹ) کہلاتا ہے۔ چنانچہ کسی حیوان کے تمام اعضاء خواہ گوشت پوست کا مجموعہ ہوں یا ہڈیوں اور رگوں کا، بال ہوں یا ناخن، دانت ہوں یا آنتیں، سب کے سب انہی خلیوں سے مرکب ہوتے ہیں۔ یہی حال نباتات کا بھی ہے۔ چنانچہ کسی بھی پیڑ یا پودے کی جڑ، تنا، ڈالیاں، شاخیں شگوفے، پھول پھل اور برگ و بار وغیرہ تمام کے تمام انہی خلیوں کا مجموعہ ہوتے ہیں۔ اور ایک ایک میں کروڑوں اربوں خلیے ہوتے ہیں۔ جس طرح کوئی عمارت اینٹوں سے تیار ہوتی ہے اسی طرح حیوانات و نباتات کی تعمیر خلیوں سے ہوتی ہے۔ اور ہر خلیہ اپنی جگہ پر ایک ایسا کارخانہ ہے جس میں مختلف قسم کا عمل اور ردِ عمل ہوتا رہتا ہے۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

PREMIER TOBACCO INDUSTRIES LIMITED

فلورائیڈ کے ساتھ
Hamdard
PEELU TOO
ہمدرد
پیلو کی بازیافت
مِسواک سے
ہمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ تک
پیلو کے مؤثر اور مجرّب اجزا پر مشتمل ایک مکمل طبّی ٹوتھ پیسٹ پیش کرکے ہمدرد نے
حفظِ دندان کی دنیا میں بھی اوّلیت حاصل کرلی ہے۔
پیلو صدیوں سے دانتوں کی صفائی اور مسوڑھوں کی مضبوطی کے لیے استعمال کیا جارہا ہے۔
ہمدرد کی تحقیقِ جدید نے پیلو کے ان افادی اجزاء اور دوسری مجرّب جڑی بوٹیوں سے ایک جامع
فارمولے کے مطابق ہمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ تیار کیا جو پوری طرح دانتوں اور مسوڑھوں
کی حفاظت کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔
Hamdard
ہمدرد
پیلو ٹوتھ پیسٹ
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں
پیلو کے اوصاف
مسوڑھے مضبوط، دانت صاف
پاکستان سے محبت کرو - پاکستان کی تعمیر کرو
Adarts-HTP-3/85
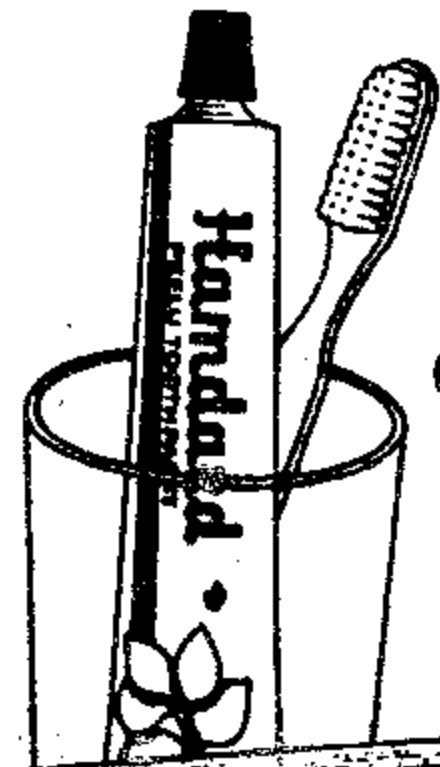
معاشیات

حضرت العلامہ مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی مدظلہ (اٹک)

رفاہی فنڈ کا قیام

قرآن و سنت کی روشنی میں

جمعیۃ علماء ہند کے "ادارۃ المباحث الفقہیۃ" کی جانب سے غیر سودی رفاہی اداروں اور سوسائٹیوں کو شریعت اسلامیہ کے مطابق چلانے کے لیے سوالنامے کے جواب میں لکھی گئی اہم تحریر (ادارہ)

(۱) رفاہی فنڈ کا قیام جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ہے، قرآن عزیز میں ارشاد فرمایا:۔

تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى (المائدہ ۲) (ترجمہ) "ایک دوسرے کی مدد کرو نیکی پر اور تقویٰ پر"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی دوسری آیات کی روشنی میں اس البر سے مراد غرباء اور مساکین کی امداد مراد لی ہے۔ (کما فی الاحادیث)

قرآن عزیز نے دوسرے لوگوں کو بھی محتاجوں کی امداد کے لیے ترغیب دینے کا حکم دیا اور اس کی تعلیم نہ کرنے والوں کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ وَلَا تَحَاضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ (الفجر ۱۸) ہرگز نہیں بلکہ تم یتیم کی عزت نہ کرتے تھے اور دوسروں کو بھی مسکین کے کھانا کھلانے کی ترغیب نہ دیتے تھے۔

ارشاد نبوی ہے:۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ اغاثۃ اللھفان۔ (مسند ابی حنیفہ، سائز کلاں ص ۲۱۵)

خود سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ مضر کے بھوکے اور نیم برہنہ لوگوں کے لیے صحابہ کرامؓ کو حکم دیا تو سب نے اپنی اپنی حیثیت بلکہ بعض صحابہؓ نے تو اپنی حیثیت سے بھی زیادہ سامان خوراک اور پوشاک پیش کر دی حتیٰ کہ وہ ۲ دو ڈھیروں کی شکل میں جمع ہو گئی، پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں تقسیم فرما دی۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے قبیلہ کو اعزاز بخشتے ہوئے فرمایا ھم منی وانا منھم۔ اور اس کی وجہ یہ فرمائی کہ:۔ "ان میں جب کوئی نادار ہو جاتا ہے تو باقی لوگ اپنے اپنے غلے وغیرہ جمع کر کے آپس میں برابر تقسیم کر لیتے ہیں۔" (ترجمۃ الاحادیث)

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ تین سو صحابہ کرامؓ کے ساتھ جہاد پر تھے، زاد راہ بعض کے پاس نہ رہا تو آپ نے سب کو حکم دیا کہ اپنا اپنا سامان خورد و نوش لے آئیں، جمع کر کے سب میں برابر تقسیم کر دیا۔

اسی طرح کے کئی دیگر واقعات رفاہی فنڈ کی اساس ہیں اور ادھر توجہ نہ کرنے والوں کے لیے وعید بھی وارد ہے۔ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:۔

"جہاں ایک آدمی بھوک سے مرجائے گا تو اس جگہ کے اردگرد بیس میل تک رہنے والوں سے قیامت کے دن بازپرس ہوگی۔" (تکملہ مجمع البحار از محدث محمد طاہر پٹنی ص۵۰۷)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے کہ:۔

"اللہ تعالیٰ نے مالدار لوگوں پر فرض کیا ہے کہ وہ اپنے اموال سے فقراء کی امداد کریں، اگر وہ بھوکے اور ننگے رہے اور تکالیف کا شکار ہوگئے تو اس کی ذمہ داری ان مالداروں پر ہوگی اللہ تعالیٰ ان سے اس کا حساب لے گا اور ان کو عذاب دے گا۔" (کتاب الاموال لابی عبیدہ ص۵۹۵)

اس لیے معاملات کے کئی احکام میں بعض شروط کی کمی بیشی کے باوجود بھی ان کو جائز رکھا گیا ہے جیسا کہ بیع سلم یا اجارہ۔ اس لیے کہ: حاجۃ الناس اصل فی تشریع العقود فتشرعت لترتفع الحاجۃ۔ (الجواہر المنیفہ فی فقہ ابی حنیفہ ص۱۰۷)

اسی سلسلے میں بیع من یزید بھی ہے ـــــ چنانچہ امانت کو غنیٰ فرمایا اور اس کو بھی البر میں شمار کیا، فقہاء کرام نے فرمایا ہے: الامانۃ مندوبۃ لقولہ تعالیٰ: تعاونوا علی البر والتقوٰی۔ (الجواہر جلد ۲ ص۲۶)

(۲) **اس فنڈ میں رقم جمع کرنے کے ذرائع** | تبرعات، صدقات، خیرات، صدقات واجبہ، نافلہ، امانت۔

ان سب ذرائع کو فنڈ کے خزانہ میں جمع کیا جاسکتا ہے مگر اس کا خیال ضروری ہے کہ ادارہ کو امین سمجھ کر جس طرح جمع کیا جاتا ہے اسی طرح معطی حضرات ادارہ کو وکیل بنادیں تاکہ وہ ان کی طرف سے بطور وکالت ان اشیاء یا رقوم کو خرچ کرسکے، اور فنڈ کے جمع کرنے یا خرچ کرنے میں فنڈ قائم کرنے والی جماعت یا فرد جو قواعد اور ضوابط بہتر سمجھے مرتب کرے بشرطیکہ ان قواعد میں کسی حرام کو حلال یا کسی حلال کو حرام قرار نہ دیا گیا ہو۔ جیسا کہ کتابتہ الدین کی تفسیر میں علامہ مراغی نے فرمایا ہے کہ:۔

وھذا قاعدۃ من قواعد الاقتصاد فی العصر الحدیث فکل المعاملات والمعاوضات لھا دفاتر خاصۃ تذکر فیھا مواقیتھا والمحاکم ادلۃ فی الاثبات۔ (تفسیر سورۃ البقرۃ ص۷۵)

اور کتابت، شہادت، رہن کی بھی یہی حکمت نافعہ ہے۔ علامہ جیون ؒ نے فرمایا ہے:۔

لان الاستیثاق بالکتابۃ والشھود والرھن اصلاح ذات البین ونفی التنازع والاختلاف وفیہ صلاح الدین والدنیا وفی ترکہ فساد ذات البین وفیہ ذھاب الدین والذین۔ (تفسیر احمدی)

اور اس فنڈ کے جمع اور خرچ کرنے کی ایک نظیر دینی مدارس اور دینی ادارے ہیں جو اسی طرح کے عمومی چندوں سے چل رہے ہیں۔

(۳) رقم امانت جمع کرانے والوں سے اجرائے کھاتہ کے لیے پاس بک کی قیمت لینا اس طرح درست ہے کہ اجرائے کھاتہ کے لیے ٹکٹ بنائے جائیں اور ان ٹکٹوں کی قیمت امانت جمع کرانے والوں سے معمولی اور ضروری طور پر لی جائے کیونکہ یہ رقم ایک تو دفتری کاموں میں آئے گی کسی شخص کے ذاتی کام کے لیے نہ ہوگی اور دوسرا امانت رکھنے والے کے لیے بطور سند اور دلیل کے ہوگی، اسی طرح اجرائے کھاتہ تحریر کرنے والے کی اجرت بھی عطا ہو سکے گی۔

از کفایۃ المفتی جلد ۸ صفحہ ۱۰۴، از دستور القضاۃ لمحمد بن احمد التبریزی المعروف بہ عماد ــــ قال قال قاضیخان اجرۃ المسجل علی من استاجر الکاتب وان لم یامرہ احد فعلی الذی یاخذ السجل

ف :- علامہ شامیؒ نے فرمایا ہے: قاضیخان من اھل التصحیح والترجیح۔ (شامی جلد ۴ صفحہ ۲۷۶)

(۴) قرض لینے والوں سے کوئی بھی حق الخدمت لینا درست نہیں، اگر وہ حق الخدمت ادا کر سکیں تو قرض کیوں لیں، البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ:-

(الف) قرض لینے والے قرض ادا کرتے وقت اصل رقم دے کر مزید کچھ رقم ادا کر دیں مگر نہ ادارہ کی اور نہ قرض لینے والے کی یہ نیت ہو، جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ قرض لینے والے کو احسنہم قضاء ہونا چاہیے جس پر سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے عمل مبارک میں احادیث موجود ہیں۔

اور امام محمدؒ نے مؤطا میں فرمایا وبھٰذا ناخذ۔ قال شعبۃ سالت الحکم وحماداً عن رجل بقیض (یقرض) دراھم فیرد علیہ خیراً منھا قال اذا کان لیس بنیۃ فلا باس۔ (المصنف جلد ۴ صفحہ ۱۲)

(ب) جب رفاہی فنڈ سے قرض لینے والے نے اپنا کارخانہ چلایا، روزگار کا ذریعہ بنایا، یا کسی نادار لڑکے نے اس قرض سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر لی اور اب اسے اچھی ملازمت مل گئی تو یہ لوگ از خود ھَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (الرحمٰن ۶۰) پر عمل کرتے ہوئے اس رفاعی ادارہ کے لیے ماہانہ یا یکمشت گاہ بگاہ عطیات دیتے رہیں تو اس سے یہ ادارہ زیادہ ترقی کر سکتا ہے۔

(۵) اگر سرمایہ جمع کرانے والوں کی اجازت ہو تو بطور وکیل کے تجارت کر سکتا ہے اور جو منافع ہو وہ اسی ادارہ میں جمع ہوگا۔ البتہ امانت میں تو بلا اجازت بھی تجارت کر سکتا ہے، سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے الامانۃ غنیٰ فرمایا۔ مولانا حفظ الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ:-

"جب امانت دار آدمی کی امانت مشہور ہو جائے گی تو لوگ کثرت سے اپنا زیادہ مال اس کی امانت میں دیں گے اور اس طرح یہ معاملات اس کی مالداری اور اقتصادی ترقی کا سبب ہو جائیں گے۔"

(اسلام کا اقتصادی نظام صفحہ ۳۲۹)

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔

"اگر کسی امانت سے کوئی کاروبار کرے اس کی اجازت سے تو نفع بالکل حلال ہے اور اگر بلا اجازت بھی کرے تو جائز ہے مگر بہتر نہیں"۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۶۴۸/امداد الفتاویٰ جلد ۳ ص۳۲۵)

بلکہ یہ بہتر ہے کہ اس فنڈ میں جمع امانت کو کاروبار میں لگا دے، جس طرح یتامیٰ کا مال جو وصی کے پاس ہے کاروبار میں لگا کر اس کی آمدنی سے یتامیٰ کی تربیت کر سکتا ہے تاکہ اُن کے بالغ ہونے تک مال میں کمی نہ ہو بلکہ بڑھتا رہے۔ جیسا کہ المصنف میں ایک باب بعنوان باب کیف یضع بمال الیتیم کے ضمن میں مندرجہ ذیل روایت نقل کی ہے:۔

"ان ابن عمر کان عند مال یتیم فیستلفہا لیحرزہا من الھلاک وھو یودی زکوتہا من اموالھم وفی روایۃ اموال الیتامیٰ"۔ (المصنف ج۴ ص۱۷۰)

(۶) بوقت ضرورت رہن رکھنا اور اس پر رقم لینا درست ہے | "ودلیل شرعیتہ قولہ تعالیٰ: فَرِهَانٌ مَّقْبُوضَةٌ۔ الآیۃ والسنۃ انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام رھن ذرعہ عند ابی الشحم الیھودی بالمدینۃ وبُعث علیہ الصلوٰۃ والسلام والناس یتعاملونہ فاقرھم علیہ وعلیہ الاجماع"۔ (فتاویٰ خزانۃ المفتین، قلمی، ص۶۰۲)

اسی طرح اشیاء مرہونہ کی حفاظت و کرایہ وغیرہ کے بارہ میں فرمایا:۔

"واجرۃ البیت الذی یحفظ فیہ الرھن علی المرتھن وکذا اجرۃ الحافظ واجرۃ الراعی ونفقۃ الرھن علی الراھن والاصل ان ما یحتاج الیہ لمصلحۃ الرھن وبتقیتہ فھو علی الراھن سواء کان الرھن فضل او لم یکن اھ (فتاویٰ خزانۃ المفتین، قلمی، ص۶۰۳)

البتہ انتفاع بالرہن اجماعاً حرام ہے اور یہ سود کے ضمن میں آتا ہے۔ شاید اسی حکمت کی وجہ سے اجازت رہن دیتے ہوئے ارشاد فرمایا وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ (بقرہ ۲۸۳) یعنی اس کا پالنے والا اللہ تعالیٰ ہے یہ مال نہیں، اس لیے مرہونہ شئے سے فائدہ نہ اٹھائے۔ صرف ایک صورت جائز ہے اور وہ یہ کہ اگر کسی نے اپنا کھیت یا باغ رہن رکھا ہو تو اس سے حاصل شدہ غلہ پھل وغیرہ کی قیمت کو زرِ رہن میں سے وصول کرتا رہے۔ (کما افادہ فی الفتاویٰ الرشیدیہ وغیرہ) مثلاً اگر ایک کھیت ایک ہزار میں رہن رکھا اور اس پر قبضہ کر کے کاشت کر لیا، اس سے غلہ اور بھوسہ وغیرہ ایک ہزار کا حاصل ہوا، اب یہ رقم وصول ہو گئی اور رہن فک ہو گئی، ویسے دوسرے کسی طریقہ پر انتفاع من المرہون ناجائز ہے۔

بقیہ سوالات کے اجمالی جوابات عرض ہیں:۔

(الف) اگر راہن نے کچھ چیز رہن رکھ کر رقم یا اور کوئی چیز لی اور ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ اگر مقررہ وقت تک رقم ادا نہ کی تو اس مرہونہ شئے کو فروخت کردے گا اگر مقررہ وقت پر رقم ادا نہ کی تو:۔

لہٗ بیع الرّھن لان الوکالۃ مما لا یبطلہ تعلیقہ بالشرط وللوکیل البیع بما عزّوھان وبای ثمن کان عند الامام الاعظمؒ۔ (فتاویٰ السعدیہ از السیّد اسعد مفتی المدینۃ المنورۃ سابقاً ج ۲ ص ۳۹۴)

(ب) رفاہی فنڈ کی ضروریات کے لیے کاغذ کی قیمت بڑھانا درست ہے۔ اسی طرح رفاہی فنڈ اگر فارم کے لیے ٹکٹ تیار کرے تو اس کا فروخت کرنا بھی جائز ہے۔ (کفایۃ المفتی جلد ۸ ص ۱۰۲-۱۰۴)

کاغذ کی قیمت کا دارومدار اس کی حیثیت پر ہے۔ اسٹامپ اور ڈاک کے سرکاری ٹکٹ وغیرہ اسی ضمن میں ہیں۔ وہ رفاہی فنڈ جو قوم کی امانت ہے۔ اس کی حفاظت کے لیے ایسے طریقے وضع کرنے جن سے وہ فنڈ مستحکم اور محفوظ رہے، درست ہے لان الاصل فی الاشیاء الاباحۃ جب تک کسی حرام کو حلال اور کسی حلال کو حرام کرنے کی طرف مفضی نہ ہوں۔

(ج) اگر ادارہ سے قرض لینے والا نہ قرض ادا کرے نہ تجدید معاہدہ کرے بلکہ منکر ہو جائے تو اس کے خلاف وقتی حکومت کے قواعد کے مطابق چارہ جوئی کی جائے گی، اس لیے معاہدہ کی تحریر اور وثیقہ لکھتے وقت اس امر کا لحاظ ضروری ہے کہ بوقتِ ضرورت قانونی طور پر بھی وہ مؤثر ہو سکے۔

(د) جب ایسے انسان کے خلاف چارہ جوئی کی جائے گی تو اصل رقم اور خرچ مقدمہ بھی اسی سے حاصل کیا جائے گا، قرآنِ عزیز کا ارشاد ہے: وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَمَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝ (سورۃ الشوریٰ ۴۱)

اسی کی تفسیر میں علماء کرام نے ظالم سے خرچہ مقدمہ وصول کرنے کو جائز قرار دیا ہے:۔

”اپنی اصل رقم لے سکتے ہیں اور مقدمہ بازی کے مصارفِ واقعیہ بھی لے سکتے ہیں“

(کفایۃ المفتی جلد ۸ صفحہ ۱۰۵)

آخر میں حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ کے ارشاد کو درج کیا جاتا ہے:۔

”یہ کمیٹی اس طرح جائز ہے، اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس میں کوئی محظورِ شرعی نہیں ہے، اس لیے اس طرح مسلمانوں کی خبر گیری کرنے میں بہت زیادہ ثواب کی امید ہے“

واللہ اعلم بالصواب

میری علمی اور مطالعاتی زندگی

(۲)

شیخ الحدیث مولانا زکریا اپنے تعلیمی دور کا ذکر کرتے ہیں :-

" میرے چچا جان مولانا محمد الیاس نور اللہ مرقدہ کا طرز تعلیم یہ تھی کہ میں مطالعہ دیکھ کر جاتا۔ وہ آنکھ بند کئے بیٹھے رہتے۔ جانے کے بعد ایک میں اور ایک میرا ساتھی ایک کتاب کھول کران کے سامنے رکھ دیتے اور اپنے ہی مطالعہ سے عبارت کا ترجمہ کرتے۔ سبق کا مدار اپنے مطالعہ پر تھا۔ معمولی غلطی پر چشت کرتے اور فحش غلطی پر ایک انگلی سے کتاب بند کر دیتے گویا سبق ندارد "

مولانا موصوف حدیث کا سبق پڑھانے سے پہلے وضو کرتے اور دو نفل پڑھنے کے بعد سبق شروع کرتے تھے (آپ بیتی ج ۶۔ ص ۲۹۔۳۱)

شیخ الحدیث مولانا زکریا مدنی تدریس کے اپنے اصول عشرہ کا ذکر اس طرح فرماتے ہیں۔

اس ناکارہ کی علمی سلسلہ میں تو زبان زیادہ چلتی تھی۔ لیکن طلبا کی عملی حالت پر بجائے زبان کے ہاتھ زیادہ چلتا تھا۔

۱۔ سبق کی غیر حاضری یہاں سخت ترین جرم تھا۔ ۲۔ صف بندی کا اہتمام نماز کی صفوف کی طرح سے کیا جاتا۔ ۳۔ وضع قطع پر بہت ہی زیادہ شدت سے اہتمام رہتا تھا۔ علماء سلف کی وضع کے خلاف اس سیہ کار کو بہت ہی گراں گذرتی تھی۔ بالخصوص ڈاڑھی کے معاملہ میں اول داخلہ فارم ہی نہیں ملتا تھا اگر کسی طریقہ سے فارم مل گیا تو میرے سبق میں حاضری کی اجازت نہ تھی۔ ۴۔ کتاب پر کہنی وغیرہ رکھنا نہایت بے ادبی اور گستاخی تھی جیسا کہ عام طالب علموں کی عادت ہے۔ ۵۔ حدیث پاک کے سبق میں خاص طور سے بیٹھنے پر بھی خصوصی تنبیہ شروع سال میں کر دیتا تھا کہ چوکڑی مار کر نہ بیٹھیں۔ دیوار سے ٹیک لگا کر نہ بیٹھیں۔ حدیث کی کتابوں کا نہایت ادب ظاہراً و باطناً ملحوظ رکھیں کسی نقل و حرکت سے [illegible] یث کی کتابوں کی بے ادبی ظاہر نہ ہو۔ ۶۔ لباس پر

خصوصی تنبیہ شروع سال میں کر دیتا تھا۔ اونچا کرتہ سرینوں تک اور تنگ پائجامہ کی نوبیں بہت تشنیع کیا کرتا تھا۔۔۔ ائمہ حدیث اور ائمہ فقہ کے ساتھ نہایت ادب اور نہایت احترام اور ان پر اعتراض چاہے قلبی ہی کیوں نہ ہو ہرگز نہ کیا جائے۔

(آپ بیتی ج ۶ : ۴۳ تا ۴۳ ملخصاً)

ایک مرتبہ حضرت لاہوری کے ہاں کوئی شخص مالٹوں کا ٹوکرا لایا۔ اتفاق سے حضرت گھر موجود نہ تھے وہ ٹوکرا سیڑھیوں پہ رکھ کر چلا گیا۔ جب آپ گھر تشریف لائے تو سیڑھیوں پر مالٹے رکھے دیکھے۔ گھر والوں نے بتایا کہ کوئی آدمی مالٹے دے گیا ہے۔ حضرت نماز کے لئے مسجد تشریف لائے تو ایک اجنبی آدمی کو دیکھا۔ اس سے پوچھا کیا مالٹے آپ لائے ہیں؟ وہ کہنے لگا حضرت میں ہی لایا ہوں۔ فرمایا کیا حرام کھانے کے لئے اور کوئی نہیں ملا۔ اس نے کہا حضرت میں اپنے باغ سے اپنے ہاتھوں سے توڑ کر لایا ہوں۔ حضرت نے فرمایا فلاں دن تم نے باغ کو جو پانی دیا تھا وہ تمہاری باری کا نہیں تھا تم نے دوسرے کی حق تلفی کر کے پانی دیا تھا۔ اس کا اثر مالٹوں میں ہو گیا ہے۔ چنانچہ وہ مالٹے واپس کر دئے۔

حضرت اقدس مولانا عبیداللہ انور بیان کرتے تھے کہ ایک مرتبہ حضرت بحری جہاز میں حج کے لئے تشریف لے گئے جہاز میں کھانا پکانے والے نمازی نہ تھے۔ حضرت نے انہیں کہا کہ نماز پڑھا کریں لیکن انہوں نے کوئی پروا نہ کی۔ لہذا حضرت نے بے نمازی کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا نہ کھایا۔ پورے سات دن بھوکے رہے۔ جدہ پہنچنے پر مچھلی کھائی۔ چونکہ سات دن کے بھوکے تھے اس لئے مچھلی بھی زیادہ کھائی۔ پیٹ خالی تھا اور مچھلی گرم تھی جس کی وجہ سے خونی پیچش شروع ہو گئے جو کئی دن تک جاری رہے۔

حضرت کے متعلق یہ بات مشہور تھی کہ وہ بے نمازی کے ہاتھ کا کھانا نہیں کھاتے۔ لیکن چند غیر مقلد حضرات کو اس کا یقین نہ تھا۔ انہوں نے حضرت کی دعوت کی اور کچھ روٹیاں نمازی کے ہاتھ کی اور کچھ بے نماز کے ہاتھ کی پکوا کر ملالیں اور کھانے کے لئے آپ کے سامنے رکھ دیں۔ حضرت نمازی کے ہاتھ والی روٹیاں ان میں سے نکال نکال کر کھانے لگے۔ وہ دیکھ کر ششدر رہ گئے اور یقین ہو گیا کہ موصوف صاحب بصیرت بزرگ ہیں۔

بے نمازی کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا تو درکنار، اگر بے نماز کا عکس بھی پڑ جاتا تو اسے تناول نہ کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ گھر سے کھانا حافظ حبیب اللہ لائے۔ حضرت مسجد کے حجرہ میں تشریف فرما تھے۔ کھانا دیکھ کر فرمایا واپس لے جاؤ۔ حافظ صاحب نے گھر جا کر والدہ محترمہ کو بتایا کہ اباجی نے کھانا واپس کر دیا ہے۔ بعد میں جب حضرت گھر تشریف لے گئے تو اہلیہ محترمہ نے عرض کیا حضرت میں نے اپنے ہاتھوں آٹا گوندھا اور روٹی پکائی

ہے آپ نے کھانا کیوں نہیں کھایا۔ حضرت نے فرمایا کسی بے نماز کا عکس پڑ گیا ہے۔ انہوں نے کہا یہ درست ہے جس وقت میں روٹی پکا رہی تھی محلہ کی ایک عورت پاس بیٹھی ہوئی تھی۔

ایسے واقعات لاتعداد ہیں لیکن مضمون کی طوالت کے خوف سے نظر انداز کئے دیتا ہوں۔ ایسی فرشتہ صفت کوئی شخصیت راقم آثم نے نہیں دیکھی۔ پھر کیا ان اوصاف کا حامل آج کوئی مل سکتا ہے۔ پھر ایسی ہستی دوسروں پر کیوں اثر انداز نہ ہو۔

نوجوان نسل کی راہنمائی اور جدید مسائل کے حل کے لئے مفید ترین کتب میں سے بعض حسب ذیل ہیں۔

اسلام کا اقتصادی نظام۔ مولانا حفظ الرحمٰن۔ اسلام کا زرعی نظام مصنفہ جسٹس مولانا تقی عثمانی اسلامی نظام میں معاشی اصلاحات، مفتی محمد شفیع دیوبندی۔ اسلام کا نظام امن، مولانا محمد مظہر الدین سائنس اور اسلام، مولانا شمس الحق افغانی، مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندوی کی جملہ تصانیف۔ علماء ہند کا شاندار ماضی، مسلمانوں کا روشن مستقبل۔ ختم نبوت کامل اور حضرت معاویہ وغیرہ۔

درس نظامی | درس نظامی کے متعلق بندہ ہیچمدان عرض پیرا ہے کہ درس نظامی کا بدر منیر آج بھی افق خاور پر پوری تابانی کے ساتھ چمک رہا ہے۔ اس کی ضیا پاشی اور افادیت ماند نہیں پڑی۔ یہ تصور درست نہیں کہ جس درس نظامی کی بدولت بڑی بڑی مقتدر، جلیل المرتبت اور عالمی شہرت کی حامل شخصیات پیدا ہوتی رہی ہیں۔ لیکن بدلتے ہوئے عالمی حالات اور نئے عصری مسائل کا حل اس نصاب تعلیم میں موجود نہیں۔ لہذا اسے بیک جنبش قلم بدل دیا جائے۔

میری ناقص رائے میں محض نصاب کی تبدیلی سے مطلوبہ مقاصد کسی طرح بھی حاصل نہیں ہو سکتے۔ اگر یہی نصاب پہلے زود اثر، سریع الاثر اور جادو اثر تھا تو اب بے اثر اور بے کار کیسے ہو گیا ہے؟ درحقیقت نصاب کی فیض رسانی آج بھی شعلہ بار ہے لیکن پڑھنے اور پڑھانے والے بدل چکے ہیں۔ قارئین ماضی کے آئینہ میں مُعَلِّم اور مُتَعَلِّم کے خدوخال ملاحظہ فرمائیں۔ اور پھر اپنے دور کے اساتذہ اور طلباء کا اس کے ساتھ موازنہ کریں تو یقیناً آپ ان اسباب و عوامل کو دریافت کر لینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ جو اس وقت درس نظامی کی برکات و فیوضات کی راہ میں سنگ گراں بنے ہوئے ہیں۔

محقق جلیل علامہ عاشق الٰہی میرٹھی۔ زبدۃ الفقہاء، فخر المحدثین قطب الاقطاب مولانا رشید احمد گنگوہی کی درس و تدریس کی منظر کشی کرتے ہیں۔

"آپ کی نظر طلبہ کی نشست و برخاست، حرکات و سکنات، رفتار و گفتار، چال ڈھال، وضع قطع، غرض ہر ظاہری حال پر برابر قائم رہتی تھی کہ کوئی طرز خلاف شرع تو نہیں ہے۔ اگر کسی کو اپنے پڑھتے ہوئے علم پر

عمل کا شائق نہ دیکھتے تو اس کی اصلاح کا زبان اور دل سے خیال رکھتے تھے۔ اشارہ سے، تصریح سے، ترغیب سے ترہیب سے، نرمی سے سختی سے جب تک متبع شرع نہ ہو جاتا اس وقت تک آپ کو بے چینی رہتی تھی۔

حضرت امام ربانی آنے والے طلبہ میں اہلیت اور صلاحیت کا بھی بہت زیادہ خیال رکھتے تھے جس طالب علم میں کجی پاتے یا یہ سمجھ جاتے تھے کہ پڑھنے کے بعد اس میں ضلال اور اضلال کا اندیشہ غالب ہے اس کو کبھی سبق شروع نہ کراتے۔ بلکہ لطائف الحیل سے ٹال دیتے یا وہ روکھا برتاؤ فرماتے جس سے وہ خود بددل ہو کر چلا جائے تاآں جن مہمانانِ رسول ﷺ میں طلب صادق اور قابلیت و سعادت مندی پاتے ان کو اپنا عزیز رشتہ دار سمجھ کر تابعدار بیٹا بنا کر رکھتے۔ کتابیں دیتے۔ حجرہ یا دوسری جگہ قیام بتاتے۔ کھانے کا انتظام فرماتے اور جب تک وہ آپ کی خدمت میں پڑھتا رہتا برابر اس کی خبر گیری رکھتے اور ہر ایک سے گاہے ماہے دریافت فرماتے رہتے کہ کسی قسم کی تکلیف تو نہیں ہے۔ اگر ان کو کوئی حاجت پیش آتی تو اس کو رفع فرماتے اور غم یا فکر لاحق ہوتا تو صبر و تسلی کے کلمات سے تسکین بخشا کرتے تھے۔ طلبہ کی مدارات اور تعظیم و تکریم کا آپ کو غایت درجہ لحاظ تھا۔" (تذکرۃ الرشید ج ۱: ۹۵)

مولانا نور الحسن کاندھلوی کو طلبِ علم کا بے انتہا شوق تھا جب وہ دہلی میں مفتی صدر الدین صاحب کی خدمت پڑھنے کے لئے حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا میرے پاس اسباق اتنے زیادہ ہیں کہ مزید پڑھانے کا وقت نہیں مل سکتا۔ البتہ جس وقت میں کچہری جاتا ہوں تو راستہ میں پڑھا سکتا ہوں۔

مولانا نور الحسن نے اسی وقت کو غنیمت سمجھا لیکن ناداری کے باعث یہ تو ممکن نہ تھا کہ مفتی صاحب کے ساتھ کسی سواری میں کچہری جائیں اور راستہ میں سبق بھی پڑھتے رہیں۔ مفتی صاحب پالکی میں کچہری تشریف لے جاتے تو مولانا پالکی ساتھ دوڑتے ہوئے سبق پڑھتے جاتے اور اسی طرح واپسی پہ راستہ میں دوڑتے ہوئے سبق پڑھتے تھے۔ (آپ بیتی ج ۶: ۴۷)

پھر جب مولانا نور الحسن کشورِ علوم کے تاج ور بن گئے اور ان کا سینہ علوم و فنون کے مَجمعُ البحر کا خزینہ بن گیا تو شیخ الحدیث مولانا زکریا مہاجر مدنی رقمطراز ہیں:۔

"حضرت مولانا نور الحسن صاحب کی ایک خصوصیت یہ تھی اور بہت معروف کہ وہ بیک وقت کئی کام کیا کرتے تھے بائیں ہاتھ سے تسبیح پڑھتے رہتے تھے دائیں ہاتھ سے کتاب نقل کرتے تھے۔ ان کی لکھی ہوئی کتابیں ہمارے جدی کتب خانہ میں بہت تھیں۔ سامنے شاگرد سبق پڑھتے رہتے تھے، درمیان میں لوگ ملنے جلنے والے آتے رہتے تھے۔ کوئی مسئلہ پوچھتا کوئی اور بات دریافت کرتا۔ اس کے جواب ساتھ ساتھ نمٹاتے رہتے

(آپ بیتی ج ۶: ۵۰)

حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی محدث جلیل مولانا خلیل احمد المدنی کے متعلق لکھتے ہیں۔
حضرت طلبہ کے متعلق تعلیمی امور میں بہت سخت تھے اور امتحان میں کسی ادنیٰ رعایت کو بھی پسند نہ فرماتے تھے۔ اسی طرح طلبہ کی عملی و اخلاقی حالات پر بھی سخت نظر ڈالا کرتے تھے۔ اور کیسا ہی کسی عزیز یا دوست کا بچہ ہو جب اس کی بد وضعی یا آزادی کو محقق فرما لیتے۔ تو بے تامل مدرسہ سے خارج کر دیتے۔ اور جب تک وہی اپنی حالت پر نادم ہو کر سچی توبہ نہ کرے اس کے ولی و وارث کی کوئی سفارش نہ سنتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے ایک قریبی رشتہ دار کو اتنی بات پر کہ انہوں نے حضرت کی قرابت کے ناز پر اپنے استاد کا احترام و ادب ملحوظ نہ رکھا، فوراً مدرسہ کی کتابیں واپس کرنے کا حکم دے دیا۔"
لیکن طلبہ کے خلاف کسی کی سرزنش بھی قطعاً گوارہ نہ تھی۔
چنانچہ ایک مرتبہ محرر مطبخ نے کسی طالب علم کو جلی ہوئی روٹی دی اس نے لینے سے انکار کیا اور محرر نے اسے سخت سست کہا۔ جب حضرت شیخ کو اس کا علم ہوا تو یہ خبر سنتے ہی مطبخ میں آئے اور غصہ کی وجہ سے آپکا چہرہ سرخ ہو گیا۔ بدن اور آواز میں رعشہ تھا۔ محرر مطبخ سے صورت حال دریافت فرمائی انہوں نے لفظ بہ لفظ کہہ سنائی۔ آپ نے فرمایا:۔
منشی جی سنو۔ مدرسہ انہیں پردیسی بے وطن مسکین طلبہ کے دم سے قائم ہے اور تم اور میں دونوں انہیں کے طفیل روٹیاں کھا رہے ہیں اگر یہ نہ ہوں تو نہ مطبخ کی ضرورت نہ تمہاری حاجت۔ مدرسین بھی فارغ اور مدرسہ بھی خالی۔ یہ مسکین سہی، محتاج سہی مگر مجھے اور تمہیں دونوں کو روٹیاں دے رہے ہیں۔ مجھے صرف یہ بتا دو کہ تمہیں ترش کلام کرنے کا کیا حق تھا۔ اور تم کون تھے یہ کہنے والے کہ چنے بھک گئے۔ میں ان کا باپ بنا ہوا ابھی زندہ بیٹھا ہوں تم کو مطبخ سے جزو تنخواہ بنا کر دو خوراک ملتی ہیں۔ آخر کیا وجہ تھی کہ جلی ہوئی روٹی تم اپنی خوراک میں نہ لگا سکے اور مہمان رسول ؐ کو مجبور کیا کہ یا تو یہی جلی ہوئی کھائے ورنہ فاقہ کرے۔ اب تو اپنی خوراک اس کے حوالے کر دو اور آئندہ کے لئے خوب کان کھول کر سن لو کہ کسی طالب علم کے ساتھ کچھ بھی تیز یا ترش برتاؤ کیا تو کان پکڑ کر مطبخ سے نکال دوں گا۔" (تذکرۃ الخلیل : ۲۲۸)
حکیم الامت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ اپنے تجربہ کی بنا پر طلباء کو یہ ہدایت فرمایا کرتے تھے:۔
"تم تین باتوں کا التزام کر لو۔ پھر میں ٹھیکہ لیتا ہوں اور ذمہ دار ہوتا ہوں کہ تمہیں علمی استعداد حاصل ہو جائے گی۔ اول یہ کہ جو سبق پڑھنا ہو اس کا مطالعہ ضرور کر لیا جائے اور مطالعہ کوئی مشکل کام نہیں کیونکہ مطالعہ کا مقصود صرف یہ ہے کہ معلومات اور مجہولات متمیز ہو جائیں۔ دوم۔ سبق کو استاد سے اچھی طرح سمجھ کر پڑھ لے بلا سمجھے آگے نہ چلے۔ اگر اس وقت استاد کی طبیعت حاضر نہ ہو تو پھر کسی دوسرے وقت

سمجھ لے۔سوم۔اس کے بعد ایک بار خود بھی مطلب کی تقریر کرے۔بس ان تینوں التزامات کے بعد بے فکر رہے۔ (اشرف السوانح ج ا: ۵۰)

یہی مختصر سا خاکہ پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

ذی وقار اساتذہ کرام سے صد بار معذرت کے ساتھ قارئین سے استفسار کرتا ہوں کیا آج بھی مُعَلّم اور مُتَعَلّم اس علمی استعداد سے سرفراز ہیں جو قدما کی طرۂ امتیاز تھی؟ کیا آج بھی معلم تعلیم و تدریس کا فریضہ اسی للّٰہیت اور فرض شناسی کے ساتھ انجام دے رہے ہیں جو قدما کی سرشت میں داخل تھا؟ کیا معلمین طلبا کی تعلیمی و اخلاقی تربیت کی نگہداشت ان اسلامی قدروں کے مطابق فرما رہے ہیں جو متقدمین کے اخلاق کی آئینہ دار ہیں۔الا ماشاء اللہ

کیا آج کے طلباء کے دل و دماغ میں اساتذہ کی حیثیت اور ادب واحترام اسی نوعیت کا ہے جو درس نظامی کے اولین طلباء کے لئے مایۂ صد افتخار تھا؟ کیا آج طلباء کی اکثریت دینی علوم لوجہ اللہ حاصل کر رہی ہے یا ان کا مطمع نظر محض حُطام دنیا ہے؟ کیا آج طلبا اسی جاں گداز محنت و جانفشانی سے علم حاصل کر رہے ہیں جس نے درس نظامی کے فضلاء کو آسمان علم و دانش پہ تابندگی و درخشندگی سے سرفراز کیا تھا؟ کیا اساتذہ اور طلبا کے مابین باپ بیٹے والا مقدس رشتہ اب بھی قائم ہے؟ جس کی لافانی عظمتوں نے معلم اور متعلم کو ہفت افلاک سے بھی سربلند کر دیا تھا۔یہ حقیقت روز روشن کی طرح آشکارا ہے کہ جب تک اساتذہ کرام طلبا کی اصلاح و فلاح کے لئے گداز ہوتے رہے اور طلبا بھی طلب صادق سے سرشار تھے تو ایسی درسگاہوں سے مقتدر زمانہ شخصیات جنم لیتی رہیں۔پھر جب اساتذہ اور طلبا میں ان اوصاف جمیلہ اور اخلاق عالیہ میں کمزوری پیدا ہوگئی تو معیار بھی خطرناک حد تک گر گیا ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ اساتذہ کرام مشفقانہ مخلصانہ اور بصیرت افروز تربیت میں قدما کی شان پیدا کریں اور طلبا ادب واحترام کا پیکر بن کر جاں سوز محنت سے علم حاصل کریں۔اساتذہ حکیمانہ انداز تعلیم اپنا کر طلبا میں خوابیدہ صلاحیتوں کو جلا بخشیں اور طلبا پوری تندہی سے جلب فیض کریں۔

رہ گئی رسم اذاں روح بلالیؓ نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقین غزالیؒ نہ رہی

لیکن ان تمام تر کمزوریوں اور خامیوں کے باوجود درس نظامی اپنی شان دلربائی میں ممتاز اور مردم ساز ہے اس کی افادیت آج بھی طلاطم خیز ہے اس کے جوہر تابدار ذرا صیقل کرنے کی ضرورت ہے۔

آج بھی ہو جو اگر ابراہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے گل انداز گلستاں پیدا

جس کی ایک ادنی سی جھلک قارئین کو دکھائی جاتی ہے۔

دورِ حاضر کے شیخ الحدیث مولانا محمد موسیٰ خان جامعہ اشرفیہ لاہوراسی درس نظامی ہی کے فیض یافتہ ہیں جس کی بدولت علم فلکیات میں اس قدر بلند مقام حاصل کیا ہے جس تک علم جدید اور سائنسی انکشافات سے بہرہ ور ماہرین فلکیات رسائی حاصل نہ کر سکے۔ موصوف نے یورپ کی انتہائی جدید سائنسی آلات سے مزین رسدگاہوں کے ماہرین کو اپنے علمی کمالات سے ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ اور اپنے ملک کے سائنسدان موصوف کی علمی تحقیقات کی صداقت پر مہر تصدیق ثبت کئے بغیر نہ رہ سکے۔ موصوف کی عالمی شہرت یافتہ تصنیف "فلکیات جدیدہ" انتہائی قابل قدر ہے۔

اور اسی علم قدیم کی سحر انگیزی ہے کہ موصوف علم حدیث میں جس بلند درجہ پر فائز ہیں وہ اپنے ہمعصر علماء میں گل سرسبد کی حیثیت کی حامل ہے۔ بعض احادیث کی طویل و بسیط شروح ان کے علمی کمالات کی آئینہ دار ہیں۔ اور ایک عرصہ سے قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نغمہ سنجی میں دلربائی کے ساتھ مصروف ہیں۔

جسٹس مولانا تقی عثمانی کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ موصوف قدیم اور جدید علوم کے مجمع البحرین ہیں ان کی اصابت رائے مسلم اور جدید علوم میں مہارت کاملہ کے مالک ہیں۔ اور عصری لاینحل مسائل کے حل میں یدطولیٰ رکھتے ہیں۔ مغربی افکار و نظریات پر عبور حاصل ہے۔ اور ان کی جرح و قدح پر بصیرت افروز کتب تالیف فرمائی ہیں۔ "اسلام اور عصر حاضر" اس موضوع پر ایک تحقیقی و علمی شاہکار ہے۔

اسلام کے لافانی اصولوں کی روشنی میں مستشرقین اور متجددین کے باطل نظریات کے بصیرت افروز اور حیرت افزا جوابات پیش کرنا موصوف کا طرۂ امتیاز ہے۔ قرآنی علوم پر گراں قدر تحقیقی مباحث، تفسیر قرآن اور جدت پسندی، حقانیتِ قرآن اور اعجاز قرآن کے موضوع پر موصوف کی مایۂ ناز کتاب "علوم القرآن" اہل علم حضرات کے لئے گراں قدر تحفہ ہے۔ احادیث کے اسرار و رموز اور روایت و درایت پر محققانہ جرح و تعدیل کے مالک ہیں۔ جس کی روح پرور منظر کشی "درس ترمذی" میں کی گئی ہے۔

مسلم فقاہت اور علمی تبحر کے پیش نظر حکومت پاکستان نے موصوف کو وفاقی شرعی عدالت کے "جج" کے منصب جلیل پر فائز کیا ہے۔ اور ایک عرصہ سے علمی و تحقیقی فیصلوں کے ذریعہ ملک وملت کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ موصوف کی یہ پذیرائی، عزت افزائی اور شرف و مجد درس نظامی کا مرہونِ احسان ہے جس کی درس و تدریس کی بدولت یہ اعلیٰ اعزاز حاصل ہوا۔

حضرت مولانا حسن جان چارسدہ علمی دنیا میں جس عظیم الشان رتبہ و مقام کے حامل ہیں۔ وہ علمائے کرام ہی جانتے ہیں۔ موصوف کے علمی تفوق اور برتری کا اعتراف مدینہ یونیورسٹی کے جلیل القدر اساتذہ کو بھی ہے جنہوں نے امتیازی اور تعریفی سندات سے انہیں نوازا ہے اور اس وقت ملکی سیاست میں قابل تقلید رول ادا کر رہے ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر سعید اللہ قاضی
ڈائریکٹر شیخ زید اسلامک سنٹر پشاور یونیورسٹی

اسلام میں سماجی اور طبّی خدمات کا تصوّر

لفظ انسان کا مادہ اُنس ہے، جس کا معنیٰ پیار اور محبّت ہے۔ گویا کہ پیار اور محبّت انسان کے خمیر میں ودلیت کر دی گئی ہے، اس کی موجودگی میں وہ اپنے دوسرے ہم جنس انسانوں کے ساتھ اچھے تعلقات رکھنے پر مجبور ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ اپنے بندے انسان پر بے انتہا مہربان ہے اور اس کے ساتھ بہت زیادہ پیار کرتا ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند ہے کہ اس کی بے جا اور غیر قانونی موت سطح زمین پر موجود پوری انسانیت کی موت قرار دیدی گئی ہے اور اس کو زندگی دینا یا اس کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنا سطح زمین پر موجود پوری انسانیت کو زندگی دینے یا اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ جو انسان اپنے دوسرے انسان بھائی کو بے جا قتل کرے اس کی سزا ابدی جہنّم قرار دیدی گئی ہے۔[2]

اللہ تعالیٰ کو اپنا بندہ (انسان) بہت پسند ہے، جو بھی اس کے ساتھ بُرا سلوک کرتا ہے اللہ کی نظر میں وہ ناپسندیدہ بنتا ہے، اور جو بھی اس کے ساتھ نیکی کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی نظر میں وہ پسندیدہ بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک حدیثِ قدسی کے مفہوم کے مطابق اللہ کے بندوں کو کھانا کھلانا، ان کی بیمار پُرسی کرنا اور ان کو کپڑے دینا اللہ تعالیٰ کو کھانا کھلانے، بیمار پُرسی کرنے اور کپڑے دینے کے برابر ٹھہرایا گیا ہے۔[3]

یہ حقیقت ہر انسان کو معلوم ہے کہ انسانوں کا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون ان کی ضرورت ہے۔ انسان دنیا میں تنہا زندگی نہیں گذار سکتا، وہ اپنی ساری ضروریات تنہا پوری نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے انسانوں کو حقوق و فرائض کی رسّی میں مضبوطی سے جکڑ رکھا ہے۔[4]

اگرچہ انسان فطرتی طور پر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے پر مجبور ہے مگر اپنے ہم جنس انسانوں میں پھر اس کا میلان اُن انسانوں کی طرف زیادہ ہوتا ہے جو اس کے ہم فکر ہوتے ہیں، اور یہ تو ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے

---

[1] کوئی بھی عربی لغت [2] قرآن کریم ۴ : ۹۳ [3] بخاری، کتاب المرض، باب وجوب عیادۃ المریض
[4] اسلامی تشخص، ڈاکٹر سعید اللہ قاضی، لاہور ۱۹۹۰ ص ۱۔۱۰

کہ کسی گروہ یا جماعت کی مظبوطی اور قوت کا بنیادی سبب اس کے افراد کا آپس میں ہم فکر ہونا ہے۔ ہم فکری اور یک فکری ایک ایسی چیز ہے جو کسی جماعت یا گروہ کو وحدتِ عمل کی طرف لے جاتی ہے۔ ایک ہی فکر رکھنے والے افراد پھر اپنی منتشر قوتوں کو ایک مرکز پر جمع کرتے ہیں اور اس مجتمع قوت سے وہ بڑے بڑے کارنامے انجام دیتے ہیں، اس شریک و مجتمع قوت کے سامنے پھر پہاڑ اور سمندر بھی نہیں ٹھہر سکتے[1]

ہم فکری اور یک فکری کا رشتہ خون کے رشتے سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے کبھی بھی خون کے رشتے کی اہمیت سے انکار تو نہیں کیا ہے لیکن اس کے مقابلے میں فکر کی بنیاد پر قائم رشتے اور بھائی چارے کو بہت اہمیت دیتا ہے، قرآن پاک میں ارشادِ ربانی ہے، اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ[2] ۔ (ترجمہ) "مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں"۔ اور مومن تو ہوتے بھی وہی لوگ ہیں جن کی فکر اور عقیدہ ایک ہوتا ہے۔

احادیث میں بھی اس رشتے اور بھائی چارے کو بہت اہمیت دی گئی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: یَدُ اللّٰہِ مَعَ الْجَمَاعَةِ[3] (ترجمہ) "اللہ کی مدد اور نصرت اتحاد اور اتفاق سے رہنے والی جماعت، یا گروہ کے ساتھ ہوتی ہے"۔

ایک دوسری حدیث شریف میں ارشاد ہوتا ہے: تری المؤمنین فی تراحمہم وتوادھم و تعاطفہم کمثل الجسد اذا اشتکی عضو تداعی لہ سائر الجسد بالسہر والحمی[4] (ترجمہ) "آپ مومنوں کو ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی، محبت اور پیار کے ساتھ پیش آتے ہوئے دیکھیں گے، ان کی مثال ایک جسم کی مانند ہے جسم کے کسی بھی عضو کو اگر تکلیف لاحق ہو جائے تو پورا جسم جاگتا ہے اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے"۔

ایک تیسری حدیث شریف میں ارشاد ہوا ہے: المؤمن للمؤمن کالبنیان یشد بعضہ بعضاً[5] (ترجمہ) "مومن آپس میں ایک عمارت کی مانند ہیں (عمارت کی اینٹوں کی طرح) وہ ایکدوسرے کو سہارا دیتے ہیں"۔

ایک چوتھی حدیث شریف میں آپ فرماتے ہیں: من کان فی حاجۃ اخیہ کان اللہ فی حاجتہ[6]۔ (ترجمہ) "جو اپنے بھائی کی حاجت براری کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت براری کرتا ہے"۔

---

[1] اس کے لیے علامہ اقبالؒ کا یہ شعر کافی ہے کہ ؎

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں
(اقبالؒ)

[2] قرآن کریم ۴۹ : ۱۰ [3] ترمذی، کتاب الفتن، باب فی لزوم الجماعۃ [4] بخاری، کتاب الادب، باب رحمۃ الناس والبہائم [5] بخاری، کتاب الادب، باب تعاون المؤمنین بعضہم بعضاً [6] بخاری، کتاب المظالم ۔ ترمذی، کتاب الحدود باب ماجاء فی الستر علی المسلم ۔ ابوداؤد، ابواب البر والصلۃ، باب ماجاء فی الستر علی المسلمین

ایک اور حدیث شریف میں آپ ارشاد فرماتے ہیں : واللہ فی عون العبد ما کان العبد فی عون اخیہ[1] (ترجمہ) "جو اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے"۔

احادیث کا مفہوم یہ ہے کہ جو بھی آدمی اپنے دوسرے مومن یا مسلمان بھائی کی مدد کرتا ہے (اور مدد تو کئی طریقوں سے ہوتی ہے) اللہ تعالیٰ اس آدمی سے اس قدر خوش ہوتے ہیں کہ اپنی پوری کائنات اس کی مدد پر لگا دیتے ہیں۔

اسی طرح جو بھی آدمی اپنے دوسرے مومن بھائی کی تکلیف کم کرتا ہے یا سخت اور تکلیف دہ حالات میں اس کی مدد کو پہنچتا ہے، اس کے بارے میں آپ کا ارشاد ہے : من نفس عن مومن کربۃ من کرب الدنیا نفس اللہ عنہ کربۃ من کرب یوم القیامۃ[2] (ترجمہ) جو آدمی اپنے دوسرے مومن بھائی کی کسی تکلیف کو دور کرتا ہے اللہ تعالےٰ قیامت کے دن کی تکالیف اُس سے دور کر دیتا ہے"۔

گویا کہ جو آدمی سختی، تکلیف یا دردناک حالت میں اپنے مسلمان بھائی کی مدد کو پہنچتا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُس آدمی کی تکالیف، درد اور سختیوں کو دُور کر دے گا۔ اور یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ دنیاوی سختیوں، تکالیف اور درد کے مقابلے میں قیامت کی سختیاں، تکالیف اور درد انتہائی سخت ہوں گی۔

ایک اور حدیث شریف میں ارشاد ہوتا ہے : من یسر علی معسر یسر اللہ علیہ فی الدنیا والاخرۃ[3]۔ (ترجمہ) "جس نے کسی تنگدست اور مفلس کو آرام اور سہولت دی یا جس کسی نے کسی مفلس اور تنگدست کی تنگدستی اور افلاس کو خوشحالی اور سہولت میں بدل ڈالی، اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت دونوں میں اس کی تنگدستی اور افلاس کو خوشحالی اور سہولت میں بدل دے گا۔

سماجی خدمات کے دائرہ میں انسان تو کیا ہر جاندار کو شامل کیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے : اِرْحَمُوا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْ مَنْ فِی السَّمَاءِ[4]۔ (ترجمہ) "اے میرے اُمتی ! تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا یعنی اللہ اور اس کے فرشتے آپ پر رحم کریں گے"۔

اور یہ تو ہر کسی کو معلوم ہے کہ جب آسمان والا کسی پر رحم کرتا ہے تو اس کی تو پھر پانچوں انگلیاں گھی میں ہوتی ہیں۔ سطح زمین پر آباد پھر ساری مخلوق اس کی خدمت پر مامور ہوتی ہے، اس کے لیے پھر رزق اور آسانیوں کے دروازے کھلتے ہیں، پھر سارے لوگ اس کی عزت اور احترام کرتے ہیں۔ مگر جو لوگ مخلوقِ خدا پر رحم نہیں کرتے اُس پہ پھر نہ خدا رحم کرتا ہے نہ فرشتے اور نہ دنیا کی مخلوق۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے :

---

[1] ابو داؤد، ابواب البر والصلۃ، باب ما جاء فی الستر علی المسلمین [2] ایضاً۔ ابو داؤد، ادب، باب المواخاۃ
[3] ابو داؤد، ادب، باب فی المعونۃ للمسلم — ترمذی، کتاب البر، باب من یسر علی معسر [4] المعجم الصغیر، طبرانی (مخطوط) تحقیق و تعلیق عبدالجبار زیدی پنجاب یونیورسٹی لائبریری جلد ۲ ص۱۲۱ — ایضاً، ترمذی، باب ما جاء فی رحمت الناس

من لا یرحم لا یرحم[1] (ترجمہ) "جو خدا کی مخلوق پر رحم نہیں کرتا تو اس پر بھی پھر رحم نہیں کیا جاتا۔"

گویا کہ جو لوگ خدا کی مخلوق کے ساتھ پیار و محبت نہیں کرتے اور سختی اور تکلیف میں ان کے کام نہیں آتے وہ پھر اللہ، اس کے فرشتوں اور سطح زمین پر موجود خدا کی مخلوق کی نظر میں ناپسندیدہ ٹھہرتے ہیں، ان کی پھر نہ کوئی عزت کرتا ہے اور نہ احترام، ایسے لوگوں کے ساتھ پھر نہ کوئی پیار کرتا ہے اور نہ محبت، اس قسم کے لوگوں سے پھر لوگ دور رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اسلام کے ہاں محبت اور نفرت کا معیار اللہ اور اس کے رسول کی رضا مندی اور خوشی ہے، اگر کوئی کسی کے ساتھ پیار و محبت سے پیش آتا ہے تو یہ صرف خدا کی رضا کے لیے ہونا چاہیئے اپنا کوئی ذاتی مقصد یا لالچ اس میں نہیں ہونا چاہیئے۔ اور جو کسی کے ساتھ نفرت کرتا ہے وہ بھی صرف خدا اور اس کے رسول کے احکام کی روشنی میں ہونی چاہیئے، ذاتی اغراض و مقاصد کی بنیاد پر کسی سے نفرت کرنا پسندیدہ عمل نہیں ہے۔ کسی سے اگر نفرت کرنی ہے تو اس بنیاد پر کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ محبت اور نفرت کا کوئی دوسرا معیار اسلام نے قائم نہیں کیا ہے، اسلام کا معیار یہ ہے کہ الحب فی اللہ والبغض فی اللہ۔[2] (ترجمہ) "محبت بھی اللہ کے لیے اور بغض بھی اللہ کے لیے"، یعنی کسی کے ساتھ محبت بھی اسلام کی بنیاد پر ہونی چاہیئے اور بغض اور نفرت بھی اسلام کی بنیاد پر۔

اسلام میں سماجی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے، اس میں مختلف قسم کے کام شامل ہیں۔ سماجی خدمات کا یہ دائرہ زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہے۔ چند مثالیں بطور نمونہ پیش کی جاتی ہیں:۔

(۱) راستے سے اذیت ناک اور خطرناک چیز ہٹانا بھی سماجی خدمت اور نیکی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: الایمان بضع وسبعون شعبۃ، اعلاھا کلمۃ لا الٰہ الا اللہ وادناھا اماطۃ الاذی عن الطریق۔[3] (ترجمہ) "ایمان کے ستر سے کچھ اوپر شعبے ہیں، بلند ترین شعبہ لا الٰہ الا اللہ ہے اور ادنیٰ ترین راستے سے اذیت ناک چیز کا ہٹانا ہے۔" ——— گویا کہ راستے سے کانٹا ہٹانا اس نیت سے کہ یہ کسی کے پاؤں میں چبھ جائے گا، نیکی اور بھلائی ہے اور مخلوقِ خدا کی خدمت ہے۔

ایک دوسری حدیث شریف میں ارشاد ہوتا ہے: رفعك العظم عن الطریق صدقۃ و ھدایتك الطریق صدقۃ و عونك الضعیف بفضل قوتك صدقۃ۔[4] (ترجمہ) "راستے میں

---

[1] بخاری، ادب، باب رحمۃ الناس والبھائم [2] بخاری، ادب، باب الحب فی اللہ [3] بخاری، کتاب المظالم باب اماطۃ الاذی ــــ مسلم، ابواب الایمان، باب ماجاء فی استکمال الایمان [4] مسند احمد بن حنبل ۵: ۱۵۴ (احادیث ابی ذر غفاریؓ) نسائی، کتاب الایمان، باب شعب الایمان

موجود ہڈی اس نیت سے ہٹانا کہ اس پر کوئی ٹھوکر نہ کھائے یا کسی کے پاؤں میں چبھ نہ جائے۔ صدقہ، نیکی اور بھلائی کا کام ہے اور خلقِ خدا کی خدمت ہے۔ اس طرح لوگوں کو راستہ دکھانا اور اپنی ضرورت سے زیادہ مال سے کمزوروں کی مدد کرنا بہت بڑی خدمت ہے۔

(۲) اپنے کسی مومن بھائی سے خندہ پیشانی سے ملنا بھی نیکی اور سماجی خدمت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لاتحقرنّ من المعروف شیئاً ولوان تلقی اخاک بوجه طلق [۱] (ترجمہ) "کسی بھی بھلائی کے کام کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیئے خواہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی سے خندہ پیشانی اور فراخدلی سے ملنا کیوں نہ ہو۔"

گویا کسی مسلمان سے پیار و محبت سے ملنا بھی سماجی خدمت ہے جس سے معاشرے میں یک جہتی اور بھائی چارہ پروان چڑھتا ہے۔

(۳) درخت لگانا بھی سماجی خدمات میں شامل ہے ——— رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ما من مسلم یغرس غرساً او یزرع زرعاً فیأ کل منه طیرٌ او انسان او بهیمة الا کان له به صدقة [۲] (ترجمہ) "جو مسلمان بھی کوئی پودا یا درخت لگاتا ہے یا فصل کاشت کرتا ہے اور اس سے کوئی پرندہ یا انسان یا جانور پھل کھاتا ہے تو یہ اس درخت کے لگانے والے اور فصل کے کاشت کرنے والے کے لیے صدقہ ہے۔"

گویا کہ کوئی درخت یا پودا اس نیت سے لگانا کہ اس سے خدا کی مخلوق پھل کھائے گی یا اس کے سائے میں کوئی آرام کرے گا یا اس کی لکڑی کسی کے کام آئے گی، بڑی نیکی کا کام ہے اور صدقہ جاریہ ہے۔ اسی طرح اگر کوئی کسان فصل کاشت کرتا ہے، اس سے پھر خدا کی کوئی مخلوق کچھ کھاتی ہے تو اس کے لیے یہ ایک صدقہ ہے اور دین و دنیا کی بھلائی کا کام ہے۔

اس حدیث شریف میں ان لوگوں کے لیے درسِ عبرت ہے جو اُن جانوروں کو مارتے ہیں جو کسی کی فصل کھاتے ہیں۔ درحقیقت جانور تو جانور ہے وہ اچھی اور برائی چیز میں تمیز نہیں کر سکتا، اس لیے اس کو مارنا صحیح اور درست کام نہیں ہے بلکہ اس سے اللہ ناراض ہوتا ہے، یہ تو درحقیقت اس کے مالک کا قصور ہے جو اپنے جانوروں کی رکھوالی نہیں کرتا اور ان کو آزاد چھوڑ دیتا ہے۔

(۴) اسلام میں ہر بھلائی کا کام نیکی اور سماجی خدمت ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: کل معروف صدقة [۳] (ترجمہ) "ہر اچھا کام صدقہ ہے۔"

---

[۱] صحیح مسلم، ابواب البر والصلة، باب استحباب طلاقة الوجه عند اللقاء [۲] بخاری، کتاب الادب، باب رحمة الناس والبهائم
[۳] بخاری، کتاب الادب، باب کل معروف صدقة

۵) کسی سے اچھی بات کہنا بھی نیکی اور سماجی خدمت ہے جس سے معاشرے میں یکجہتی پیدا ہوتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: الکلمۃ الطیبۃ صدقۃ [1] (ترجمہ) "اچھی بات کہنا بھی صدقہ اور نیکی ہے"۔ اتقوا النار ولو بشق تمرۃ فان لم تجد فبکلمۃ طیبۃ۔ (ترجمہ) "اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچالو اگرچہ یہ کھجور کے ایک ٹکڑے دینے سے کیوں نہ ہو اور اگر کسی کو دینے کے لیے کھجور کا ایک ٹکڑا بھی موجود نہ ہو تو پھر اچھی اور پیار کی بات کہنے سے ایسا کر لیا کرو"۔

۶) کسی کی حاجت براری بھی سماجی خدمت اور نیکی ہے ——— ایک روایت میں ہے کہ: کان النبی جالسا اذجاء رجل یسئال اوطالب حاجۃ، فقال اشفعوا فلتؤجروا [2] (ترجمہ) رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی مقام پر تشریف فرما تھے اتنے میں ایک آدمی یا محتاج مانگنے آیا، آپ نے فرمایا کسی سائل کی ضرورت اگر خود پوری نہیں کر سکتے تو دوسروں سے پوری کروانے کی کوشش کرو اس پر بھی اجر ملتا ہے"۔

۷) انصاف، احسان اور رشتہ داروں کا خیال رکھنا بھی سماجی خدمات میں شامل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی [3] (ترجمہ) "اللہ تعالیٰ انصاف، احسان اور رشتہ داروں کو دینے کا حکم کرتا ہے"۔

۸) بے حیائی اور غلط کاموں سے لوگوں کو روکنا بھی سماجی خدمت ہے ——— ارشادِ ربانی ہے: وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ [4] (ترجمہ) "کسی کو بے حیائی اور ناپسندیدہ کاموں اور سرکشی سے روکنا بھی بہت بڑی سماجی خدمت ہے"۔

۹) مہمان کا احترام کرنا بھی سماجی خدمت ہے ——— آپ کا ارشاد ہے: من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفہ [5] (ترجمہ) "جو کوئی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اُس کو اپنے مہمان کی عزت اور احترام کرنا چاہیئے"۔

گویا کہ مہمان کی عزت کرنا اللہ اور یوم آخرت پر یقین کرنے کی علامت ہے۔

۱۰) پڑوسی کا احترام کرنا بھی ایک بہت بڑی سماجی خدمت ہے ——— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلیکرم جارہ [6] (ترجمہ) "جو کوئی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کا احترام کرے"۔

---

[1] بخاری، کتاب الادب، باب الکلمۃ الطیبۃ صدقۃ [2] ایضاً، باب تعاون المؤمنین بعضھم بعضاً [3] قرآن کریم ۱۶: ۹۰۔ ایضاً، بخاری کتاب الادب، باب قول اللہ: ان اللہ یامر بالعدل والاحسان [4] قرآن کریم ۱۶: ۹۰ [5] بخاری، کتاب الادب، باب من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلا یؤذ جارہ۔ ایضاً، باب اکرام الضیف [6] ایضاً

یہاں بھی پڑوسی کا احترام کرنا اور اس کا خیال رکھنا اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لانے کی علامت ہے۔

(۱۱) قرآن کریم سیکھنا اور سکھانا بھی سماجی خدمت ہے ـــــ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَ عَلَّمَہٗ [۱] (ترجمہ) تم میں بہتر لوگ وہ ہیں (یعنی تم میں سماجی کارکن وہ ہیں) جو خود بھی قرآن سیکھتا ہے اور دوسروں کو بھی سکھاتا ہے۔"

(۱۲) کسی کو بھلائی کی تعلیم دینا یا کسی کو نیکی کی طرف بلانا بھی سماجی خدمت ہے ـــــ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت علیؓ کو مخاطب کرکے فرمایا: "اے علیؓ! اگر تمہاری وجہ سے ایک آدمی بھی اللہ راہِ راست پر لے آئے تو یہ تمہارے لیے سرخ اونٹنیوں سے بھی بہتر ہے۔" [۲]

گویا کہ کسی کو نیکی اور بھلائی کی تلقین کرنا اور اس کو گمراہی سے بچا کر نیکی کی راہ پر لے آنا بہت بڑی سماجی خدمت ہے، یہ معاشرے پر بھی بہت بڑا احسان ہے اور اس آدمی کے لیے بھی یہ بہترین سرمایۂ آخرت ہے۔

(۱۳) مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلانا بھی سماجی خدمت ہے ـــــ ارشادِ ربانی ہے: وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّ یَتِیْمًا وَّ اَسِیْرًا [۳] (ترجمہ) "اور اللہ کی رضا کی خاطر مسکینوں، یتیموں، اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔"

(۱۴) رشتہ داروں اور یتیموں کی مالی مدد کرنا بھی سماجی خدمات میں شامل ہے ـــــ ارشادِ ربانی ہے: وَاٰتَ الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی [۴] (ترجمہ) "اور اللہ کی رضا کی خاطر رشتہ داروں اور یتیموں کی مالی اعانت کرتا ہے۔"

(۱۵) اپنے والدین پر خرچ کرنا بھی سماجی خدمت ہے ـــــ ارشادِ ربانی ہے: قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ وَالْیَتٰمٰی [۵] (ترجمہ) "کہہ دو اے پیغمبر! کہ تم جو مال خرچ کرتے ہو وہ والدین، رشتہ داروں اور یتیموں پر خرچ کرو" ـــــ یعنی آپ کے مال میں والدین، رشتہ داروں اور یتیموں کا حصہ ہونا چاہیے، یہ بھی بہت بڑی سماجی خدمت ہے۔

(۱۶) یتیموں کی اصلاح اور تربیت بھی بہت بڑی سماجی خدمت ہے ـــــ ارشادِ ربانی ہے: وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْیَتٰمٰی قُلْ اِصْلَاحٌ لَّھُمْ خَیْرٌ [۶] (ترجمہ) "یہ لوگ آپ سے یتیموں کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دو کہ ان کی اصلاح اور تربیت و بھلائی کا کام ہے" ـــــ اس سے معاشرے کے گرے ہوئے لوگوں

---

[۱] بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب خیرکم من تعلم القرآن وعلّمہٗ ـ ترمذی، ثواب القرآن [۲] لان یھدی بک رجل واحد خیرٌ لک من حمر النعم ـ بخاری، کتاب الجہاد [۳] قرآن کریم ۸:۷۶ [۴] قرآن کریم ۲:۱۷۷ [۵] قرآنِ کریم ۲: ۲۱۵ [۶] قرآنِ کریم ۲: ۲۲۰

کو اٹھان ملتا ہے اور وہ معاشرے کے کار آمد افراد بن جاتے ہیں، اس سے بڑی سماجی خدمت اور کیا ہو سکتی ہے؟

(۱۷) یتیموں کے ساتھ پیار کرنا اور ان پر غصہ نہ ہونا بھی سماجی خدمت ہے ــــ ارشاد ربانی ہے: وَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ[1] (ترجمہ) "یتیموں پر غصہ مت کیا کرو"۔

(۱۸) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یتیموں کی پرورش کرنے والوں کے بارے میں فرمایا ہے: اَنَا وَ کافل الیتیم فی الجنۃ ھٰکذا[2] (ترجمہ) "میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے، آپ نے اپنی دو انگلیاں ملائیں اور ان کی طرف اشارہ کیا"۔

(۱۹) بیواؤں اور مساکین کی خدمت اور حاجت براری کرنا بھی سماجی خدمت ہے ــــ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: الساعی علی الارملۃ والمسکین کالمجاھد فی سبیل اللہ اوکالذی یصوم النھار و یقوم اللیل[3] (ترجمہ) "بیوہ اور مسکین کا خیال رکھنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے یا دن کو روزہ رکھنے اور رات کو قیام کرنے والے کی طرح ہے"۔

گویا کہ بیواؤں اور مساکین کا خیال رکھنا اور انکی حاجت براری کرنا بہت بڑی عبادت اور سماجی خدمت ہے۔ رگرتوں کو سہارا دینا اگر سماجی خدمت نہیں تو اور کیا ہے؟ ایسے ہی کاموں سے معاشرے میں یکجہتی پیدا ہوتی ہے اور معاشرہ مستحکم بنیادوں پر کھڑا ہوتا ہے۔

ایک دوسری حدیث شریف میں ارشاد ہوتا ہے: کان رسول اللہ ..... لا یأنف ان یمشی مع الارملۃ والمسکین فیقضی لہ الحاجۃ[4] (ترجمہ) "رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو ہرگز عار نہیں سمجھتے تھے کہ بیوہ اور مسکین کے ساتھ جائیں اور ان کی حاجت براری کریں"۔

سماجی خدمات کا تصور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے بڑی جامعیت کے ساتھ واضح ہو جاتا ہے کہ: خَیْرُ النَّاسِ مَنْ یَّنْفَعُ النَّاسَ[5] (ترجمہ) "لوگوں میں بہترین شخص وہ ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے"۔ ــــ لوگوں کو فائدہ پہنچانا خواہ کیسا کیوں نہ ہو، سماجی خدمات کے تصور کے اعلیٰ معیار کی بہت بڑی علامت ہے۔

(جاری ہے)

---

[1] قرآن کریم ۹۳: ۳ [2] بخاری، کتاب الادب، باب فضل من یعول یتیما [3] ایضاً، باب الساعی علی الارملۃ [4] نسائی، کتاب الجمعۃ، باب مایستحب من تقصیر الخطبۃ [5] مسند امام احمد بن حنبل ۳: ۳۶

جناب ڈاکٹر ثریا ڈار

شاہ عبدالعزیز مُحدّث دہلویؒ کی سیاسی تحریک کا پس منظر اور ان کی مساعی

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ابتری اور خون ریزی کے پُرفتن اور پُرآشوب دور میں اپنی سیاسی تحریک اور تجدیدی مساعی کا آغاز کیا۔ شمال اور جنوب میں مرہٹوں اور سکھوں کا طوفان، دہلی پر نادر شاہ کا حملہ، پانی پت میں احمد شاہ ابدالی کا مرہٹوں کو شکست دینا اور بنگال میں انگریزی فوجوں کا سراج الدولہ کو موت کے گھاٹ اتار کر غیروں کی شہنشاہیت کا پرچم لہرانا، سلطنت مغلیہ کے ٹمٹماتے ہوئے چراغ کو بجھانے کی سب سے بڑی وجوہ تھیں۔ ان حالات میں مغلیہ سلطنت کا بحال کرانا مشکل ہی نہیں ناممکن امر تھا۔ لہذا اس دوران میں شاہ صاحبؒ مُعاشرے اور ملت کو ضلالت و گمراہی کے گہرے غار میں گرنے سے بچانے کے لئے تصنیف و تالیف میں مصروف رہے۔ حکیم الہند شاہ ولی اللہؒ نے اس زمانے کی دفتری زبان فارسی میں بیسیوں کتابیں تصنیف کیں اور ان میں اپنی دعوت کے اصول و مسائل کو ایک ہی جگہ قلم بند نہیں کیا بلکہ ان نااہل لوگوں کی دست برد سے بچانے کے لئے انہیں مختلف کتابوں میں پھیلا کر بیان کیا۔

اس وقت تمام دنیا میں عموماً اور ہندوستان میں خصوصاً اسلام پر ضعف اور کمزوری کے آثار بہت حد تک نمایاں تھے۔ اپنے وطن کی تباہی و بربادی اور دوسرے ممالک کے حالات کا جائزہ لینے کے بعد شاہ صاحب اس نتیجے پر پہنچے کہ اس تباہی کی اصل وجہ انفرادی و اجتماعی زندگی کے ہر شعبے پر چھایا ہوا فرسودہ اور بے کار نظام ملوکیت اور شہنشاہیت ہے۔ لہذا سب سے پہلا کام "فک کل نظام" یعنی سیاسی اور سماجی زندگی کے ہر شعبے میں ہمہ گیر انقلاب برپا کرنا ہے۔ چنانچہ ان کی سیاسی تحریک کا اصل مقصد مذہب کی روح کو اجاگر کرنا اور عدل و انصاف کی تفصیلات بیان کرنا تھا۔ وہ اپنی ہمہ گیر تحریک کے تحت مسلمانوں کو غیر مسلموں کے اقتدار اور ان کے بے پناہ مظالم سے نجات دلانا چاہتے تھے۔ انہوں نے اپنی تجدیدی دعوت میں زندگی کی وسعت، پذیری اور ہمہ گیری کو نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیا۔ جس کے طرز فکر کا دار و مدار عام مسلمانوں پر تھا۔ حکیم الامت شاہ ولی اللہ ہندوستان کی مرکزیت کو بحال رکھنے کے لئے ہندوستان کی ساری قلمرو ایک بادشاہ، ایک قانون کے اور ایک سیاسی نظام کے تحت دیکھنے کے خواہشمند تھے۔ یعنی عدل و انصاف کرنے والی جمہوری حکومت، شاہ صاحب اپنے مجوزہ نظام میں کچھ اختلاف اور کچھ موافقت کے ساتھ اکبر، جہانگیر، شاہجہان اور اورنگ زیب کے زمانے کی

مرکزیت اور سلطنت ہند کے اقتدار اعلیٰ کو بحال دیکھنا چاہتے تھے۔ لیکن جاٹوں، سکھوں، مرہٹوں اور نوابان اودھ اور روہیلوں کی بغاوتوں نے اس کی مرکزیت کو تباہ کر دیا تھا۔ لہٰذا اس لامرکزیت کے سیلاب کو روکنے کے لئے شاہ صاحب نے ایک نیا دستور حیات پیش کیا اور اس کے ساتھ ساتھ تربیتی مراکز قائم کر کے ایک نئے ہندوستان کا تصور پیش کیا۔ اس تصور کی تکمیل ان کے خلفاء اور بالخصوص ان کے جانشین اکبر شاہ عبدالعزیزؒ نے انجام دی۔

شاہ ولی اللہ نے بارہ برس کے مطالعے کے بعد اپنے اصلاحی پروگرام کے دو اصول متعین کئے۔ ایک تو قرآن حکیم کی حکمت عملی انسانوں کی عملی زندگی قرآنی تصورات و احکامات کی آئینہ دار ہو۔ اس زمانے کے مسلمانوں کی مذہبی زبان عربی تھی۔ اور عام پڑھے لکھے لوگوں کی زبان فارسی تھی۔ چنانچہ شاہ صاحب نے سب سے پہلے قرآن کا اس زمانے کی دفتری زبان فارسی میں ترجمہ کیا۔ تاکہ کلام الٰہی کو زیادہ سے زیادہ لوگ سمجھیں۔ اس پر جاہ پرست علماء اس قدر برافروختہ ہوئے کہ تلواریں میانوں سے نکل آئیں اور فتح پوری کی جامع مسجد میں ہتھیاروں سے مسلح ہو کر ان پر قاتلانہ حملہ کیا لیکن وہ اس خوفناک حالت میں ایک پتلی لکڑی ہاتھ میں لئے اللہ اکبر کا نعرہ لگاتے ہوئے اس خونی مجمع کو چیرتے ہوئے نکل گئے۔

شاہ صاحب نے قرآن پاک کے اس فارسی ترجمے کے حواشی پر وہ تمام چیزیں جمع کر دی ہیں جو ان کی دعوت تجدید میں اساس کا حکم رکھتی تھیں۔ سب سے پہلی بات یہ کہ مکہ معظمہ میں ایک مستقل اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آچکا تھا۔ گو اس زمانے میں تشدد اور لڑائی کی اجازت نہیں ملی تھی۔ سورۂ رعد کے آخری حصہ میں

"اولم یروا انا نأتی الارض ننقصها من اطرافها واللہ یحکم لا معقب لحکمه وهو سریع الحساب"

کے معنی کی وضاحت فرماتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ اسلام کی عظیم الشان حکومت سرزمین عرب میں روز افزوں ترقی پر تھی۔ اور دارالحرب کا دائرہ آہستہ آہستہ کم ہو رہا تھا۔ دارالحرب کے دائرہ اثر کے کم ہونے سے مراد عرب کے مختلف قبائل مثلاً اسلم غفار، جہینہ، مزینہ اور بعض یمنی قبائل کا حلقہ بگوش اسلام ہونا ہے۔ یہ واقعہ ہجرت سے قبل کا ہے۔

الغرض شاہ صاحب کے نزدیک مکہ مکرمہ میں اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آچکا تھا۔ یہ حکومت امن و سلامتی کے اصولوں پر عامل تھی۔ شاہ صاحب نے بھی اسی نظام مکی کی تقلید کرتے ہوئے اپنی انقلابی تحریک کو جاری رکھا۔ انہوں نے تصوف کے خاص طریقہ کی بیعت کو اپنے سیاسی نظام کی اساس بنایا۔ لہٰذا اپنی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے امن و سلامتی کی راہ اختیار کی اور ان ہی اصولوں پر اپنی جماعت تیار کی۔ شاہ صاحب طوائف الملوکی کے اس دور میں اگر چاہتے تو بہادر دیٔ نوع انسانی کی خاطر دیگر جنگجو سرداروں کی تلوار ہاتھ میں لے کر فوجی بھرتی کر کے کسی علاقے پر قابض ہو جاتے، لیکن وہ تشدد کے قائل نہ تھے اس لئے کہ اس سے جماعت کا نصب العین "ہمہ گیر انقلاب" پایۂ تکمیل کو پہنچتا، بلکہ وہ ایسی فوجی قوت سے جس کی ترتیب جہاد کے اصول پر ہوئی ہو۔ انقلاب کے

حامی تھے اس لئے انہوں نے اپنی زندگی میں ہی اصلاحی نظریات کے مطابق تربیتی مراکز قائم کئے تاکہ اس میں ایسے سرفروش مجاہد تربیت حاصل کریں جو اپنی ذات اور ذاتی مفادات کو ختم کرکے اعلیٰ مقاصد کی تکمیل کو اپنی زندگی کا مقصد بنائیں اور آپ اپنے اس مقصد عظیم میں کامیاب رہے۔ ان کے بعد ان کے جانشین اعظم شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے حکومت چلانے کے لئے آدمی تیار کئے۔

قرآن پاک کی حکمت عملی کے بعد شاہ صاحب کے اصلاحی پروگرام کا دوسرا اصول اقتصادیات میں توازن اور مساوات کی اہمیت واضح کرنا تھا۔ اس سلسلے میں انہوں نے اقتصادیات و معاشیات کے مسائل پر اپنی شاہکار کتب حجۃ اللہ البالغہ اور بدور بازغہ میں "ارتفاقات" کے عنوان سے جو اصول پیش کئے ہیں اگر کوئی مسلم حکومت انہیں اپنا دستور اساسی بنالے تو اس کی مملکت یقیناً اقتصادی بے چینی اور طبقاتی کش مکش سے بڑی حد تک محفوظ رہ سکتی ہے۔ ان ہی ابواب ارتفاقات میں مالیات حکومت نظام عدل، فوج، پولیس حتٰی کہ بلدیات وغیرہ کی تنظیم کا نقشہ بھی پیش کردیا ہے۔ مثلاً حجۃ اللہ البالغہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"اگر کسی قوم میں تمدن کی مسلسل ترقی جاری رہے تو اس کی صنعت و حرفت انتہائی کمال پر پہنچ جاتی ہے اس کے بعد اگر حکمران جماعت آرام و آسائش اور زینت و تفاخر کی زندگی کو شعار بنالے تو اس کا بوجھ قوم کے کاریگر طبقات پر پڑ جاتا ہے۔ انسانیت کے اجتماعی اخلاق اس وقت برباد ہوجاتے ہیں جب کسی جبر سے ان کو اقتصادی تنگی پر مجبور کیا جائے۔ اس وقت وہ گدھوں اور بیلوں کی طرح کام کریں گے۔ انسانیت پر ایسی مصیبت نازل ہو تو خداوند تعالیٰ انسانیت کو اس سے نجات دلانے کے لئے کوئی راستہ ضرور سجھاتا ہے۔ یعنی ضروری ہے کہ قدرت الٰہیہ انقلاب کے سامان پیدا کرکے قوم کے سر سے ناجائز بوجھ اتار دے۔ چنانچہ قیصر و کسریٰ کی حکومت نے یہی وتیرہ (آرام و آسائش رفاہیت بالغہ) اختیار کررکھا تھا۔ اس مرض کے ازالے کے لئے امیین (عربوں) میں رسول کو پیدا کیا گیا۔ فرعون کی ہلاکت اور قیصر و کسریٰ کی تباہی اس اصول پر لوازم نبوت سے شمار ہوتی ہے[۵]"

شاہ صاحب کے اس قول سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ انسانوں کی اجتماعی زندگی کے لئے اقتصادی نظام کی اشد ضرورت ہے۔ اقتصادی نظام کے درست اور متوازن ہونے کے نتیجے میں انسانی اجتماع کے اخلاق اعلیٰ بنیادوں پر تعمیر ہوں گے۔ اخلاق کی یہ تعمیر و تکمیل موت کے بعد اسے جنت کا مستحق قرار دے گی۔ اور انسانی اجتماع کو اس ارتقائی منزل پر چلانا انبیاءؑ اور ان کے متبعین یعنی صدیق اور حکیم کا کام ہے جن کے ذریعے انسانیت کے مجموعی مسائل حل ہوجاتے ہیں۔ شاہ صاحب کے نزدیک اقتصادی توازن کے یہی معنی ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ کے نظریے کے مطابق اقتصادی عدم توازن نے مذہب کے سربفلک قلعوں کو مسمار کیا۔ لہٰذا سوسائٹی کی اقتصادی اصلاح

[۵] شاہ ولی اللہ: حجۃ اللہ البالغہ ج ۱، باب اقامۃ الارتفاقات واصلاح رسوم مطبع المصریہ البنیہ ۱۲۸۴ھ ص ۱۰۴، ۱۰۵

مذہبی و اخلاقی عظمت اور روحانی کمالات کا سب سے پہلا زینہ ہے۔ روحانیت اور فلسفہ اخلاق کے بہترین ماہر شاہ ولی اللہ سوسائٹی کی اقتصادی اصلاح کو انبیاء علیہم السلام کا اہم جزو قرار دیتے ہیں۔

شاہ صاحب اپنے اس لائحہ عمل کو ایک مدلل شکل میں اپنی قوم کے ارباب فکر کے سامنے پیش کرنا چاہتے تھے اور اس منصب کے لئے حدیث، وفقہ میں مجتہدانہ کمال کے حصول کی خاطر حرمین شریفین تشریف لے گئے۔ دو سال کے قلیل عرصے میں قیام کے دوران میں اعلیٰ علمی کتابوں اور جلیل القدر اساتذہ سے استفادہ کیا۔ شاہ صاحب نے جمعے کی رات ۲۱ ذیقعدہ ۱۱۴۴ھ/۱۷۳۱ء میں مکہ معظمہ میں یہ الہامی خواب دیکھا کہ "ملک الکفار مسلمانوں کے شہروں پر قابض ہو گیا ہے"

اس خواب کا مشاہدہ ان کو بعد میں یوں کرایا گیا کہ لال قلعے پر مرہٹوں نے قبضہ کر لیا ہے۔ پھر انہوں نے خواب میں یہ بھی دیکھا تھا کہ "میں قائم الزماں ہوں" یعنی اللہ تعالیٰ کے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کیلئے ایک ذریعہ بنا دیا گیا ہوں۔

تیس سال بعد ۱۱۷۴ھ میں معرکہ پانی پت میں اس خواب کی تعبیر عمل میں آئی۔ شاہ ولی اللہ کے خاص عقیدت مند نواب نجیب الدولہ اور ان کے رفقائے کار نے ان کے مشورے سے احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان آنے کی دعوت دی تھی۔ چنانچہ پانی پت میں احمد شاہ ابدالی کی کامیابی نے دہلی کے سیاسی اُفق کو مرہٹوں کے بڑھتے ہوئے خطرات سے محفوظ کر دیا۔

شاہ ولی اللہ نے قرآن پاک اور احادیث شریفہ پر مبنی اخلاقی اور روحانی اصول کے تابع انقلابی تحریک کا آغاز کیا۔ اس سلسلے میں حکیم الہند نے اپنا ایک نصب العین متعین کیا اور اپنے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ایک مرکزی جمعیت بنائی۔ اس جمعیت کے نمایاں ارکان میں مولانا عاشق پھلتی، مولانا نوراللہ بڈھانوی، مولانا محمد امین کشمیری، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ اور مولانا مخدوم لکھنویؒ تھے۔ اس جماعت کی علمی و عملی تربیت کے مراکز مختلف مقامات پر قائم تھے۔ سب سے پہلا اور بڑا مرکز دہلی تھا۔ جو براہ راست شاہ صاحب کی نظروں کے سامنے تھا۔ دوسرا رائے بریلی کا مشہور اور تاریخی مرکز "دائرہ شاہ علم اللہ" کے نام سے موسوم تھا۔ یہ علمی و عملی مرکز اس علاقے میں تقریباً نصف صدی پہلے سے تعلیم و تربیت کا سرچشمہ بنا ہوا تھا۔ سلطان ٹیپو کی روحانی وابستگی بھی اسی مرکز سے تھی۔ اس مرکز میں کام کرنے والے نسبی لحاظ سے تو شاہ علم اللہ سے وابستہ تھے لیکن علمی و عملی لحاظ سے شاہ ولی اللہ کے تربیت یافتہ اور ان سے مستفید تھے۔ اس تربیت گاہ کے علماء و فضلا میں سے شاہ محمد واضح، شاہ ابو سعید، سید محمد معین اور حضرت سید محمد نعمان تھے۔ جنہوں نے شاہ ولی اللہ سے استفادہ کیا تھا۔ ان دو مراکز کے علاوہ تیسرا مرکز نجیب آباد تھا۔ چوتھا مدرسہ ملا محمد معین ٹھٹھہ سندھ اور پانچواں اودھ کے دارالحکومت لکھنؤ میں تھا۔ جس میں شاہ ولی اللہ کے شاگرد مولانا مخدوم لکھنویؒ تقریباً نصف صدی تک مسلمانان ہند کو مستفیض کرتے رہے۔

شاہ صاحب نے ملوکیت اور اجارہ داری کے بدنما داغ کو دامنِ اسلام سے دھونے کے لئے انقلاب کا چراغ

روشن کیا۔ اگرچہ اس مقصد کے لئے مجاہدین اسلام کو تربیت دینے کے لئے مختلف مقامات پر تربیتی حلقے قائم کئے لیکن شاہ صاحب کا انقلابی فکر اعلیٰ درجے کی انشا پردازی اور سحر آفرین قوتِ تحریر کے باوجود نشر و اشاعت سے خالی تھا۔ انشا پردازی کی یہ طاقت صرف ان کی کتابوں تک محدود ہو کر رہ گئی جس کی نشر و اشاعت تقریباً ڈیڑھ سو سال بعد ہو سکی۔ اور ان کے دور میں نشر و اشاعت کا ذریعہ تقریریں اور تعلیم و تربیت کے مندرجہ بالا حلقے تھے۔ طوائف الملوکی اور دن رات کے قیامت خیز ہنگاموں کے باعث شاہ صاحب کو اپنے انقلابی منشور کو یکجا مدون و مرتب کرنے کا موقع نہ ملا۔ ان تمام حالات کے باوجود شاہ صاحب کی یہ جماعت طاقت ور صورت میں ظاہر ہوئی۔ اٹھارھویں اور انیسویں صدی میں اس تحریک کے تین امام۔ امام شاہ ولی اللہ، امام شاہ عبدالعزیز، امام محمد اسحاق اور ایک امیر سید احمد شہید مقرر ہوئے۔ اس کے بعد شاہ ولی اللہ کی وفات (۱۷۶۲ء) سے شاہ عبدالعزیز کی امامت کا آغاز ہو جاتا ہے۔

شاہ عبدالعزیز کے عہد میں تربیت و تحریک جہاد

شاہ ولی اللہ کی وفات (۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) کے بعد ان کے بڑے فرزند شاہ عبدالعزیز کو باپ کا جانشین تسلیم کیا گیا۔ شاہ ولی اللہ کے عہد میں ہندوستان کی سسکتی ہوئی مغلیہ سلطنت آخری سانس لے رہی تھی لیکن شاہ عبدالعزیز کے عہد میں بالکل دم توڑ گئی۔ شاہ ولی اللہ کے عہد میں انگریز بنگال اور مدراس پر قابض ہو چکے تھے۔ بادشاہ نے ایک معاہدے کے تحت تمام قلمرو کی نظامت ایسٹ انڈیا کمپنی کے سپرد کر دی اور عملاً یہ قرار پایا کہ خلق خدا کی، ملک بادشاہ سلامت کا اور حکم انگریز بہادر کا۔

شاہ عالم ثانی کے بعد اکبر ثانی کے عہد میں ایک طرف تو دہلی اور کلکتے تک کے علاقوں میں انگریزوں کا تسلط ہو گیا اور دوسری طرف دکن میں مرہٹے اور پنجاب میں سکھ زوروں پر تھے۔ اس سیاسی انتشار کے ساتھ مذہبی اور اخلاقی لحاظ سے ہندوستان کفرستان بن چکا تھا۔ رسومِ شرک و بدعت بعض علماء کے گھروں میں بھی کھلم کھلا ادا کی جاتی تھی۔ بیواؤں کا نکاح ثانی حرام اور خلاف شرع سمجھا جاتا تھا۔ فعل غنا و مزامیر و اخلاط امارد، عبادات اور تزکیہ نفس میں شمار کئے جاتے تھے۔ قرآن پاک زیادہ تر مریضوں کی جھاڑ پھونک کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ مسلمانوں میں ہمدردی، اخوتِ اسلامی، میل جول پیار و محبت مفقود ہو گیا تھا۔ بعض علاقوں میں بلند آواز سے آوازہ کہنا اور گاؤ کشی پر قدغن لگا دی گئی تھی۔ ایسا بھی تھا کہ گائے کے ذبح کرنے والے کو پھانسی کی سزا ہوتی تھی۔ اگر یہی حالات تھوڑے عرصے تک برقرار رہتے تو اس ملک میں اسلام کا نام لینے والا کوئی باقی نہ رہتا۔ شاہ عبدالعزیز نے مندرجہ بالا برائیوں سے معاشرے کو پاک کرنے کے لئے پبلک جلسوں اور عام اجتماعات میں تقریروں کے ساتھ ساتھ قوم کی علمی، اخلاقی، روحانی اور جسمانی تربیت کی۔ اور اپنے والد بزرگوار کے مقصد اعلیٰ کی تعمیر کے لئے اپنے کام کو نہایت حکمت عملی اور خوش تدبیری سے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

شاہ ولی اللہ نے مسلمانانِ ہند کے لئے ہندوستان کے تصور کے لئے جس فکری انقلاب کا آغاز کیا، شاہ عبدالعزیز نے اس تصور کو عام مسلمانوں کے لئے عام فہم بنایا، حکیم الامت شاہ ولی اللہ نے اپنے علوم وافکار کا تعارف اگر دہلی کے اعلیٰ طبقے سے کروایا تھا تو شاہ عبدالعزیز نے قوم کے متوسط طبقے کو بیدار کر کے انہیں شاہ ولی اللہ کی زبان اور ان کے طور طریقوں پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کی۔ شاہ صاحب خود دہلی میں شاہ ولی اللہ کے تربیتی مرکز کے تربیت یافتہ تھے۔ پھر اسی مدرسے سے شاہ محمد اسحاق اور حضرت سید احمد شہیدؒ کے علاوہ بیشمار لوگ تربیت پاکر اطراف میں پھیل گئے۔ شاہ ولی اللہ کے زمانے میں اودھ کے مدرسہ لکھنؤ کی سرپرستی کے فرائض مولانا مخدوم لکھنوی سرانجام دیتے رہے لیکن شاہ عبدالعزیز کے زمانے میں آپ کے شاگرد رشید مرزا حسن علی صغیر محدث اور مولانا حسین احمد ملیح آبادی جیسے علماء وفضلا نے شاہ عبدالعزیز کے حلقہ درس سے فیض یاب ہو کر لکھنؤ میں عرصے تک دین اسلام کی اس شمع کو جلائے رکھا۔ شاہ عبدالعزیز کی تعلیم و تربیت اور نشر و اشاعت کے باعث ہندوستان کے تمام حلقوں کا تعلق براہ راست آپ کے علمی مرکز سے قائم ہو گیا تھا۔ اور اہل علم کے علاوہ مسلمانانِ ہند کی وسیع تعداد اس سے متاثر تھی۔

علمی تربیت گاہوں کے علاوہ شاہ صاحب نے خودغرضی، نفس پرستی اور اقتدار پسندی سے پاک کرنے کے لئے اور صبر اور ضبط، جفاکشی اور محبت وشفقت کے جذبات پیدا کرنے کے لئے مسلمانانِ ہند کو ایک جھنڈے تلے جمع کیا تاکہ وہ مرہٹوں، سکھوں اور انگریزوں کا مقابلہ کر سکیں۔ اس سلسلے میں شاہ صاحب جانتے تھے کہ افغانوں میں جنگی طاقت، حربی قوت اور مردانگی وشجاعت کے جوہر موجود ہیں۔ اس لئے آپ نے اسلامی حکومت کے لئے مضبوط فوج فراہم کرنے کی خاطر مسلمانوں میں سے لائق فائق اور قابل و اہل لوگوں کی مدد سے کابل قندھار کے نواح میں امارت قائم کرنے کا ارادہ کیا۔ اس تحریک کے سلسلے میں شاہ صاحب نے پہلے اسلامی عقائد و اخلاق سے متعلق غلط فہمیوں کی اصلاح کی اس طرح ایک طرف تو لوگ غلط افراد کو چھوڑ کر آپ کے گرد جمع ہو جاتے۔ اور دوسری طرف مخالف گروہ کے لوگ آپ کی تحریک کی ترقی میں حائل نہ ہوتے۔ اس پروگرام کے ساتھ ساتھ شاہ صاحبؒ نے ایک انقلابی دعوت عام کا ایک مرکز قائم کیا جس کے ارکان شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ سید احمد شہیدؒ اور مولانا عبدالحیؒ تھے:

شاہ محمد اسحاقؒ کو اس نئی جماعت کا امیر اور سید احمد کو امیر دعوات اور امیر الجہاد مقرر کیا۔ اس مقصد کے لئے دہلی کی فضا سازگار نظر نہیں آتی تھی۔ اس لئے اس جماعت نے افغانی علاقے میں جانے کا ارادہ کیا۔ کیونکہ افغانوں میں سید کی امارت کو بہت جلد مانا جاتا ہے۔ اس دوران میں سید احمد شہیدؒ امیر جماعت، مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ اور مولانا عبدالحیؒ ان کے وزیر مقرر ہوئے۔ جنہوں نے مالی اغراض سے بالاتر ہو کر مخلوق خدا کی خدمت اور ان کے لئے ہر قسم کی قربانی کو ضروری قرار دیا۔ ان تربیت گاہوں اور انقلابی تحریک کے علاوہ شاہ صاحب

اپنے مقررہ پروگرام کے مطابق ہفتے میں دو دفعہ عام اجتماع سے خطاب کرتے تھے۔ تاکہ آپ کی اس تربیت فکری کے ذریعے عوام میں مستقل بیداری پیدا ہو۔ شاہ صاحب نے دعوت وعمل کے باوجود بھی جب حالات کا رخ بدلتے نہ دیکھا تو ہندوستان کے وہ علاقے جو غیر مسلم طاقت کے قبضے میں تھے، انہیں دارالحرب قرار دے دیا اس میں وہ تمام علاقے بھی شامل تھے جن پر دہلی کے بادشاہ کا برائے نام عمل ودخل تھا۔ شاہ صاحب کے نزدیک سلطان دہلی کی برائے نام حکومت ملک کو دارالسلام نہیں بنا سکتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ مسلمانوں کا فرض ہے کہ اپنے مذہبی فریضے کو انجام دینے کی خاطر دشمن سے مقابلہ کرکے اپنی نئی اسلامی حکومت بنائیں اور ایسی حالت میں دشمنوں کے غلبے کو ختم کرنے کے لئے مسلمان قوم کے ہر فرد پر واجب ہے کہ وہ پوری طاقت اور قوت سے غیر اسلامی رجحانات کا مقابلہ کریں۔

انیسویں صدی کے آغاز میں ہندوستان میں انگریز ریذیڈنٹ آچکا تھا۔ ہندوستانی حکمرانوں اور انگریزوں کی قوت آزمائی کے اس آخری نازک ترین دور میں شاہ صاحب کے جانشین اعظم نے اپنے فتوے کو عملی شکل دینے کے لئے حضرت سید احمدؒ کے ساتھ اپنے خاص مریدوں کو جسونت راؤ ہلکر کے دوست نواب امیر علی خان کی فوج میں بھرتی کروایا۔

وعظ وخطابت سے مسلمانوں کو بیدار کرنے کے ساتھ ساتھ شاہ صاحب نے امام ولی اللہ کے علوم وحکمت کو تمام علماء تک پہنچانے کے لئے تصانیف کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ نے شاہ صاحب کی تفسیر قرآن "فتح الرحمن" کے رموز ونکات کی وضاحت کے لئے تفسیر "فتح العزیز" لکھی۔ مثلاً شاہ ولی اللہ کی تفسیر قرآن میں حروف مقطعات کا سمجھنا بہت مشکل تھا، "فتح العزیز" میں آپ نے ان غوامض کو سہل بنایا۔

شاہ ولی اللہ قرآن وحدیث کی تعلیمات کی طرف توجہ دلانے کے لئے اس کے معارف اور اصولوں سے راہنمائی حاصل کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں شاہ عبدالعزیزؒ نے شاہ ولی اللہ کی کتاب "المصفیٰ" اور "المسوّیٰ" کی طرف اپنے زمانے کے علماء کو راغب کیا۔

شاہ ولی اللہ نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں قیصر وکسریٰ کی مذمت کرتے ہوئے معیشت اور معاشرت میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے اخلاق واوصاف کو اپنانے کی طرف توجہ مبذول کروائی ہے چنانچہ شاہ عبدالعزیز نے اپنے والد بزرگوار کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے اس عہد کی سرمایہ داری اور ملوکیت کو بے نقاب کیا جس کا اہل ہند کے لئے سمجھنا مشکل نہ رہا۔ لہذا سوسائٹی کی وضع کردہ رسوم کو جڑ سے اکھاڑنے کے لئے شاہ صاحب کے تربیت یافتہ نوجوانوں کے ایک گروہ نے اس کام کو بخوبی خوش اسلوبی سے سرانجام دینے کا عہد کیا۔ اس مرکزی جمعیت کے سرکردہ بزرگ آپ کے تینوں بھائیوں کے علاوہ

مولانا محمد اسمٰعیل شہید، مولانا شاہ محمد اسحٰقؒ، مولانا عبدالحئیؒ اور مولانا محمد یعقوب دہلویؒ تھے۔ جس میں بعد ازاں حزب سید احمد شہیدؒ کو بھی ضم کر دیا گیا۔

شاہ عبدالعزیز کی علمی وعملی تربیت اور وعظ وخطابت کے باعث شاہ ولی اللہ کا فکری انقلاب خصوصاً پورے مسلمانوں کا جذبہ بن چکا تھا اور ہزاروں تربیت یافتہ نوجوان اس کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر چکے تھے۔ آپ کی تعلیم کا اثر ہندوستان سے نکل کر حجاز کے ذریعے استنبول تک پہنچا۔ استنبول کے علمار کی طرف سے آپ کو آستانہ تشریف لانے کی دعوت دی گئی۔ اور کہا گیا کہ وہاں کی تمام علمی جماعتیں آپ کی سیادت میں کام کریں گی لیکن چونکہ شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنے والد بزرگوار کے انقلاب کے تصور کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا عزم کر رکھا تھا اس لئے ہندوستان سے باہر جانا پسند نہ کیا۔

الغرض شاہ عبدالعزیزؒ اور ان کی جمعیت کے ارکان کی تعلیمی، تبلیغی، فکری اور عملی جدوجہد سے جب عام لوگ شاہ ولی اللہ کے فکری تصور سے آگاہ ہو گئے تو شاہ عبدالعزیزؒ کو انقلابی تحریک کے دوسرے حصے کی تکمیل کے لئے ایک موزوں نوجوان کی ضرورت پیش آئی۔ یہ نوجوان سید احمد شہیدؒ تھے۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے ان میں کشفی کمالات اور سپاہ گری کی صفات دیکھ کر انہیں مرکزی جمعیت کا امیر الجہاد مقرر کر دیا مایوسی کے اس تاریک دور میں بوڑھے امیر شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنے بڑھاپے اور بیماریوں کے باوجود اپنے عہد کے آخری حصے میں ہندوستان کی اسلامی ریاست میں سخت ابتری دیکھ کر اپنی جماعت کے عسکری و تنظیمی دو الگ الگ شعبے بنا دئے۔ عسکری امور کے لئے سید احمد شہیدؒ امیر اور مولانا عبدالحئیؒ اور مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ مشیر مقرر کئے ــــ چنانچہ تمام جماعت کے لیے یہ حکم تھا کہ ہر معاملے میں تینوں اصحاب کے فیصلے کو امام عبدالعزیزؒ کا فیصلہ سمجھا جائے۔ تنظیمی امور کے لئے آپ نے مولانا محمد اسحٰقؒ کو ہر معاملے میں اپنے ساتھ شریک رکھا۔ یہاں تک کہ آپ کو مدرسۂ عزیزیہ میں اپنا قائم مقام مقرر کر دیا اور ان کے حکم کو اپنا ہی حکم قرار دیا ان تمام تمہیدی مراحل کے بعد سید احمد شہید ۱۲۳۶ھ میں پہلی بار یہ بورڈ کے ارکان کے ساتھ حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے۔ ۱۲ ھ میں یہ بورڈ شاہ عبدالعزیزؒ کے حکم پر جہاد کی بیعت کی غرض سے دورے پر روانہ ہوا۔ پھر انہیں اپنی تنظیم کو مضبوط بنانے کے لئے پورے قافلے سمیت حج پر جانے کا حکم ملا۔ امیر الجہاد کی یہ دعوت و تبلیغ حزب ولی اللہ کی سیاسی پارٹی کی تشکیل و تنظیم کی ابتدا تھی۔

۱۲۳۹ھ میں اس قافلے کی واپسی پر شاہ عبدالعزیز فوت ہو چکے تھے۔ اور اس عسکری جماعت نے جہاد کا اعلان کر دیا تھا چنانچہ یہ جماعت سید احمد شہیدؒ کی قیادت میں کفار سے نبرد آزما ہوئی۔ اور وہ کام کیا جس کی اس ملک میں اس وقت شدید ضرورت تھی ؛

Safety
instant milk

دار العلوم کے شب و روز

شفیق الدین فاروقی

○ ۱۵ ستمبر: سعودی عرب سے جامعۃ الامام کے الشیخ الدکتور عبدالعزیز بن ابراہیم الشہوان عمید المعاہد فی الخارج للجامعۃ الامام اور الشیخ فالح محمد الصغیر عمید کلیات اصول الدین دار العلوم حقانیہ تشریف لائے، دار العلوم کے مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کی معیت میں دار العلوم کے مختلف شعبہ جات، نظام تعلیم، جاری تدریس کی کلاسیں، حقانیہ ہائی سکول، دار الحفظ والتجوید، شعبہ تخصص فی الفقہ، مؤتمر المصنفین، دار التصنیف، ماہنامہ الحق، اور دار الحدیث میں طالبانِ علومِ نبوت کے تحصیلِ علم حدیث کا روح پرور منظر دیکھا تو حد درجہ محظوظ ہوئے۔ وقت کی قلت اور اضیاف کی عجلت کے پیشِ نظر باقاعدہ تعطیل اور تقریب کا اہتمام نہ کیا جا سکا، البتہ دار الحدیث میں طلبہ کے علم حدیث سے اشتغال اور انہماک کی وجد آفریں کیفیت ہی ایسی تھی کہ مہمانوں کے قلوب میں رقت اور از خود طلبہ سے بات کرنے اور انہیں ہدیۂ تبریک پیش کرنے کا داعیہ پیدا ہوا۔ اس طرح گویا دار الحدیث میں دورۂ حدیث کے طلبہ کی درسی کلاس ہی تقریب بن گئی۔ دیگر درجات کے طلبہ کو علم ہوا تو دار الحدیث میں تل دھرنے کی جگہ نہ رہی حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے مہمانوں کی تشریف آوری اور دار العلوم میں قدم رنجہ فرمائی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے حاضرین سے ان کا تعارف کرایا اور عرب مہمانوں کی دار العلوم سے محبت کو نیک فال قرار دیا۔

الشیخ الدکتور عبدالعزیز بن ابراہیم الشہوان نے تقریر کرتے ہوئے دار العلوم کے مختلف شعبہ جات، کارکردگی، نظام تعلیم، اخلاق و تربیت اور خاص کر جہادِ افغانستان میں کردار کے لحاظ سے اس کی مرکزیت اور اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے اسے علم دین اور اسلام کی عظیم چھاؤنی اور لشکرگاہ قرار دیا۔ طلبہ کو علم کی فضیلت، اخلاق و اعمال پر توجہ اور مستقبل میں قوم و ملت کی طرف سے پڑنے والی ذمہ داریوں پر تنبیہ کی تاہم طلبہ کے اخلاق، خلوص و محبت اور وارفتگی اور خالص اُن کی علمی اور دینی ماحول سے اپنے تاثر کو بڑے جذباتی اور وجد آفریں انداز سے بیان کیا۔ آخر پر انہوں نے کہا دار العلوم حقانیہ کی عظمت اور اہم علمی اور تاریخی مقام کے پیشِ نظر یہاں کے طلبہ اور فضلاء کو جامعہ مدینہ منورہ، جامعہ اُم القریٰ مکۃ المکرمہ اور جامعۃ الامام الریاض میں خصوصی اہمیت اور ترجیح دی جائے گی۔

الشیخ فالح محمد الصغیر نے اپنے مختصر خطاب میں ارشاد فرمایا کہ سننے اور دیکھنے میں بہت فرق ہوتا ہے ہم نے دار العلوم حقانیہ کی تاریخی عظمت اور علمی مقام سے متعلق بہت کچھ سنا تھا مگر جب دیکھا تو اس سے ہزار چند بڑھ کر پایا، یہاں آکر ہمیں روحانی سرور اور علمی تسکین حاصل ہوئی، یہاں کے علماء، اساتذہ، مشائخ اور طلبہ کی ہیئتیں، اعمال اور کردار سب قرونِ اولیٰ کی یاد دلاتی ہیں۔ سلف صالحین اور اسلامی، علمی اور اخلاقی اقدار کے تحفظ اور اس کو

بدستور قائم رکھنے پر میں سب کو خلوص دل سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ تقریب سے فارغ ہوئے تو دارالعلوم کے مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ نے انہیں اپنی قیامگاہ پر ضیافت دی۔ مہمانوں نے دارالعلوم کی کتاب الآراء میں ایسے ہی خیالات اور تاثرات کا اظہار کیا جو انہوں نے اپنے خطاب میں کیا تھا۔

○ سہ ماہی امتحانات کے نتائج میں اچھی پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ کی حوصلہ افزائی اور طلبہ میں علمی اور مطالعاتی ترغیبی تحریک کے لیے جامع مسجد دارالعلوم میں ۱۲ اکتوبر کو جلسہ تقسیم انعامات منعقد ہوا۔ درجہ تخصص فی الفقہ، دورۂ حدیث، دارالحفظ والتجوید سمیت درس نظامی کے تمام درجات میں اول، دوم اور سوم پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ میں دارالعلوم کے مہتمم اور شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد فرید مدظلہما نے انعامات تقسیم فرمائے۔ حضرت مہتمم صاحب نے اس موقع پر طلبہ سے علم کی فضیلت اور مطالعہ و تحقیق اور امتحانات کی اہمیت پر مفصل خطاب فرمایا۔ اجلاس کی صدارت شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد فرید مدظلہ نے کی، ان کے اختتامی اور دعائیہ کلمات پر یہ مبارک تقریب اختتام پذیر ہوئی۔

○ ۱۴ اکتوبر کو سابق وزیر اعظم اور این پی پی کے سربراہ جناب غلام مصطفےٰ جتوئی اچانک دارالعلوم تشریف لائے۔ دارالعلوم کے مختلف شعبہ جات اور جاری کلاسوں کا معائنہ کیا۔ دارالعلوم کے مہتمم مولانا سمیع الحق مدظلہ کی معیت میں دارالعلوم کے تمام شعبہ جات کے معائنہ اور کارکردگی سے بے حد محظوظ ہوئے۔ بعد میں حضرت مہتمم صاحب نے انہیں ماہنامہ الحق کے دفتر میں ضیافت دی ـــــ اس موقع پر جتوئی صاحب نے تنہائی میں مولانا سمیع الحق کے ساتھ آئی جے آئی کے سربراہی اجلاس کے بعد کی صورتحال، ملک کی تازہ ترین سیاسی ترجیحات، جہاد افغانستان بالخصوص روسی امریکی گٹھ جوڑ اور پاکستان کے ممکنہ کردار اور تحریک آزادی کشمیر سے متعلق اہم امور پر تبادلہ خیال کیا۔ اسی دوران "حرکۃ المجاہدین افغانستان" کے راہنما مولانا فضل الرحمن خلیل اور مولانا محمد فاروق کشمیری بھی دارالعلوم تشریف لائے اور جہاد افغانستان سے متعلق امور کی مشاورت میں شریک ہوئے۔

الحاج محمد ابراہیم یوسف باوا رنگونی

یہ برطانیہ ہے

مجھے یورپ کے اس ملک برطانیہ میں آئے ہوئے پندرہ سال گذر چکے ہیں۔ یہ ملک حدیث پاک اَلدُّنیَا سِجْنُ الْمُؤمِنِ وَجَنَّۃُ الْکَافِرِ کا مصداق ہے، (یہ دُنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے) اور شعر

ڈھیٹھ اور بے شرم بھی دُنیا میں ہوتے ہیں مگر
سب پہ سبقت لے گئی ہے بے حیائی آپ کی

کے عین مطابق ہے مغربی ممالک میں خصوصاً انسان عیش و عشرت کی چند روزہ زندگی گذارنے کے لیے اپنے آپ کو جانوروں بلکہ خنزیر سے بدتر بنا ڈالتے ہیں، ان کی حالت علامہ اقبالؒ کے اس شعر کے مطابق ہو چکی ہے ؎

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

انسان کی حالت جانور سے بدتر ہو گئی....

جانوروں سے بدتر اس لیے کہ بروزِ قیامت جانوروں کا حساب کتاب ہو جانے کے بعد مٹی بنا دیئے جائیں گے اور انسان اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود کفر و شرک، منافقت، گناہوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں دن رات ملوث ہو کر اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس طریقوں کو پس پشت ڈال کر نفس و شیطان چاہی زندگی گذارنے کی وجہ سے جہنم رسید کر دیئے جائیں گے۔

دوزخ کی صفت اور اہلِ دوزخ کی حالت

آیئے! ذرا ہم دوزخ کی صفت اور اہلِ دوزخ کے متعلق وعیدیں قرآن کریم سے سُنیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

"بیشک نافرمان لوگ عذابِ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے، وہ اُن سے ہلکا نہ کیا جائے گا اور وہ اُسی میں مایوس پڑے رہیں گے اور ہم نے اُن پر ظلم نہیں کیا یہ خود ہی ظالم تھے اور پکاریں گے کہ اے مالک! تمہارا پروردگار ہمارا کام ہی تمام کر دے، وہ جواب دے گا کہ تم ہمیشہ اسی حالت میں رہو گے۔" (پ ۲۵ ع ۱۳ سورۂ زخرف از بیان القرآن صـ ۵۹۵)

"بیشک زقوم کا درخت بڑے مجرم کا کھانا ہو گا۔ جو تیل کی تلچھٹ جیسا ہو گا، وہ پیٹ میں ایسا کھولے گا جیسا تیز گرم پانی کھولتا ہے، (اور فرشتوں کو حکم ہو گا کہ) اس کو پکڑو، پھر گھسیٹتے ہوئے

دوزخ کے بیچوں بیچ تک لے جاؤ، پھر اس کے سر پر تکلیف دینے والا پانی چھوڑ دو (اور اُس سے استہزا کیا جاوے گا کہ) لے چکھ تُو بڑا معزز مکرم ہے، یہ وہی چیز ہے جس سے تم شک کرتے تھے۔" (پ ۲۵ ع ۱۶ سورۃ الدخان از بیان القرآن ص۵۹۸)

اس طرح قرآن پاک کی اور آیتوں میں جہنم اور اہلِ نار کے متعلق وعیدیں درج ہیں، جس کا دل چاہے ذیل کے مقامات میں کسی معتبر و مستند تفسیر یا ترجمہ میں دیکھ لیں:۔

پ ۲۷ ع ۱۵ سورۂ واقعہ (وَاَصْحَابُ الشِّمَالِ تا يَوْمَ الدِّيْنِ)

پ ۳۰ ع ۱۳ سورۂ غاشیہ (هَلْ اَتٰكَ تا مِنْ جُوْعٍ ط)

پ ۱۸ ع ۶ سورۂ المؤمن (وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ تا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ)

رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:"

"تمہاری (دُنیا کی) آگ جہنم کی آگ کے ستّر حصّوں میں سے صرف ایک حصّہ ہے۔" (متفق علیہ عن ابی ہریرہؓ)

"دوزخیوں میں سب سے کم عذاب جس کو ہوگا اُس کا یہ حال ہوگا کہ اُس کو ۲ دو جوتے اور ۲ دو تسمے آگ کے پہنا دیئے جائیں گے جس کی وجہ سے اُس کا دماغ مانند ہانڈی کے جوش مارے گا اور یہ معلوم ہوگا کہ اس سے بڑھ کر کسی کو عذاب نہیں ہو رہا ہے حالانکہ اُس کو سب سے کم عذاب ہو رہا ہوگا۔" (متفق علیہ عن نعمان بن بشیرؓ)

(بعض روایت میں ہے کہ یہ عذاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کو ہوگا)

"ایک ہزار سال تک جہنم کو دھونکا گیا ہے یہاں تک کہ وہ بالکل سُرخ ہوگئی، پھر ایک ہزار سال سال تک اور دھونکا گیا یہاں تک کہ وہ سفید ہوگئی، پھر ایک ہزار سال تک اور دھونکا گیا یہاں تک کہ بالکل سیاہ پڑگئی، پس اب وہ ایک نہایت ہی سیاہ اور بہت ہی تاریک چیز ہے۔"

(ترمذی عن ابی ہریرۃؓ از الترہیب من النار)

(بعض روایت میں ہے کہ پلصراط جہنم پر بچھایا جائے گا)

اسی طرح کئی احادیث میں دوزخ کے عذاب سے ڈرایا گیا اور دعاؤں کے ساتھ پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ دنیا کی آگ کی طرح جل کر خاک ہو کر معاملہ ختم ہو جائے گا، بلکہ ہر مرتبہ نئی کھال ڈالی جائے گی اور بار بار جلایا جائے گا اور خدانخواستہ ایمان ہی سے کوئی ہاتھ دھو بیٹھے تو پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دردناک عذاب میں یہ انسان مبتلا کیا جائے گا جس کا تصور بھی انسان اس دُنیا میں کر نہیں سکتا۔ (اللّٰھم احفظنا)

مَیں برطانیہ کیوں آیا؟ | مَیں برطانیہ اپنے کام کے سلسلے میں آیا تھا اور ذرا بھی خیال نہ تھا کہ مجھے یہاں رہنا

پڑے گا، اپنے کپڑے لتے سب بمبئی چھوڑ آیا تھا اور بچے سب برما میں تھے، لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور منظور تھا بس اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ اسی پاک ذات کا فیصلہ تھا کہ میں یہاں مقیم ہوں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کو منظور تھا اُسی ذاتِ اقدس نے کام لیا، اُسی کا کرم ہے اس میں اپنا کوئی حصہ اور کمال نہیں ہے۔

اس ملک میں قدم رکھتے ہی مجھے فوراً محسوس ہوا کہ مسلمان یہاں صرف دنیا کمانے آئے اور اگر مسلمانوں کا یہی رویہ رہا جو چل رہا ہے یعنی کمانا، کھانا پینا، سُکھ چین کی زندگی گذارنا اور مزہ کرنا اور حُبِّ مال میں خواص وعوام کا ملوث ہو کر دولت جمع کرنے ہی کی فکر کرنا اور اسی میں لگا رہنا، آج نہیں تو کل اولاد اور نسل کو ختم کر دے گی غیروں کے لعنتی اور ایمان سوز ماحول میں رہ کر اور نصاریٰ کے جانور سے بدتر بنانے والے اسکولوں میں اولاد کو بھیج کر ایسا المناک وقت آنے والا ہے کہ انسان ہکا بکا رہ جائے گا اور اسے کوئی تدبیر اور اس بھیانک ماحول اور حالت سے بچ نکلنے کی کوئی بات سمجھ میں نہیں آئے گی۔ یہی نہیں بلکہ رفتہ رفتہ مسلمان احساس کمتری میں اس قدر مبتلا ہو جائے گا کہ دوسروں کو نصیحت تو درکنار مشورہ کرنے کی بھی ہمت نہیں ہوگی اور ہر فرد آنکھ مچولی کا کھیل کھیلتا ہوا نظر آئے گا ؎

جاگتا ہے جاگ اے افلاک کے سایہ تلے — حشر تک سوتا رہے گا خاک کے سایہ تلے

بے نمک ہے میری تحریر مگر تلخ نہیں — خالی از درد نہیں گرچہ ہے لشتم پشتم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میری امت دنیا کو بڑی چیز سمجھنے لگے گی تو اسلام کی ہیبت اور وقعت اُس کے قلوب سے نکل جائے گی اور جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ بیٹھے گی تو وحی کی برکات سے محروم ہو جائے گی اور جب آپس میں گالی گلوچ اختیار کرے گی تو اللہ جل شانہٗ کی نگاہ سے گر جائے گی۔ (ترمذی)

ف:۔ ہائے افسوس! یہ سب کچھ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ہی ہماری حالت پر رحم فرمائے ورنہ ہم خود اپنی تباہی کا سب کچھ سامان تیار کر چکے ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

وہ زمانہ میں معزز تھے مسلماں ہو کر — اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

انگریز کی فطرت | امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ اپنے اکابر کی طرح انگریز کی دھوکہ اور چالبازی کی فطرت اچھی طرح جانتے تھے، چنانچہ فرمایا کہ "انگریز کی فطرت کا خمیر سانپ کے زہر سے اٹھایا گیا ہے اور اپنی غذا کیلئے اُسے انسانی خون کی جو چاٹ پڑی ہوئی ہے بڑی مشکل سے چھوٹے گی"۔ (ختم نبوت، جلد ۸، شمارہ ۲)

ایک خط جس کی تعبیر پوری ہو رہی ہے | ۱۹۷۷ء میں گیارہ سال پہلے اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اُس کی دی ہوئی سمجھ سے میں نے ایک خط اپنے ایک محسن دوست کو یہاں کے حالات کے بارے میں لکھا، حالانکہ مجھے برطانیہ آئے ہوئے صرف چار سال ہی ہوئے تھے۔ اس خط میں کیا لکھا تھا؟ یہ تو آپ اس خط کو پڑھیں گے جب ہی معلوم ہوگا۔ بلکہ یوں کہنا مناسب ہوگا کہ اس خط میں جو بھی اللہ تعالیٰ نے لکھوا دیا تھا وہ سب کی سب باتیں بلکہ اُس سے

بڑھ کر حالات ہاتھ سے باہر نکلتے جا رہے کہ مسلسل ایسی خبریں آ رہی ہیں کہ اللہ کی پناہ!

اِس خط کو ہم نے "مغربی ممالک میں بسنے والے مسلمانوں کے لیے واحد علاج" کے نام سے کتابی صورت میں شائع کر دیا ہے اور جس پر صدر مفتی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد نظام الدین صاحب مدظلہ نے اپنا تبصرہ بھی فرمایا ہے۔ اس خط کو منگوا کر ضرور پڑھیں اور مسلمانوں کو سُنائیں۔ ؎

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے تم بھی اے مسلمانو! تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۗ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ۔

(سورۃ الرعد پ۱۳ ع ۸)

واقعی اللہ تعالیٰ کسی قوم کی (اچھی) حالت میں تغیر نہیں کرتا جب تک وہ لوگ خود اپنی (صلاحیت کی) حالت کو نہیں بدلتے اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر مصیبت ڈالنا تجویز کر لیتا ہے تو پھر اس کے ہٹنے کی کوئی صورت ہی نہیں اور کوئی اس کے (یعنی اللہ کے) سوا مددگار نہیں رہتا۔ (بیان القرآن ۲-۳۰)

اِسی کو کسی نے خوب کہا ہے ؎

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

آج مسلمان کی بچیاں زنا میں مبتلا اور بے بیاہی ماں بن رہی ہیں۔ مسلمان تو مسلمان غیروں کے ساتھ خواص و عوام کی لڑکیاں فرار ہو رہی ہیں۔ مسلمان بچیاں رنڈیوں اور گانے باجے کے پروگرام اور ریسرچ میں لگی ہوئی ہیں۔ مسلمان کی بیٹیاں کلبوں، ہوٹلوں اور ڈسکو میں آتی جاتی ہیں۔ مسلمان کی لڑکی فاحشہ خانہ کھول چکی تھی اور لڑکوں کی حالت؟ میں کیا لکھوں! وہ سب کچھ ہو رہا ہے اور کر رہے ہیں جو شریعتِ مطہرہ نے حرام اور کبیرہ گناہ سے نشاندہی کی ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجھ سے گیارہ سال پہلے خط میں لکھوا دیا تھا ؎

قدم سُوئے مرقد نظر سوئے دُنیا کہاں جا رہا ہے کدھر دیکھتا ہے؟
نہ تو انگریز ہی ہیں ہم نہ مسلمان رہے عمر سب مفت میں کھو بیٹھے ناداں رہے (اکبر الٰہ آبادی)

اب باتیں یہاں تک سننے میں آتی ہیں کہ مسلمان کی اولادیں آپس میں میٹنگیں کرتی ہے اور کہتی ہے کہ اسلام بڑا تنگ نظر مذہب ہے ہم اس دینِ اسلام سے (نعوذ باللہ) بیزار ہیں لہٰذا ہم مذہب اسلام سے دستبردار ہوتے ہیں۔ اور بڑوں سے اسلام کے خلاف بحث و مباحثہ کر رہے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ٥

؎ جس میں نہ ہو انقلاب، موت ہے وہ زندگی رُوحِ اُمم کی حیات کشمکشِ انقلاب ہے (علامہ اقبال ؒ)

؎ دور ہے منزلِ عرفانِ خودی اور یہاں بے خودی کا ہے یہ عالم کہ خدا یاد نہیں

مولانا عبدالمعبود / حافظ محمد ابراہیم فانی

تعارف و تبصرۂ کتب

نام کتاب ۔ آثار السنن مع اردو ترجمہ ۔ مؤلف محدث جلیل علامہ محمد بن علی النیموی ؒ مترجم مولانا محمد اشرف مدظلہ ، صفحات ۶۷۶ ۔ قیمت ۱۵۰ روپے ۔ دلکش خوبصورت جلد ۔ طباعت اور کاغذ نفیس ۔ ناشر کتب خانہ رشیدیہ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی ۔ مکتبہ حسینیہ قذافی روڈ گرجاکھ گوجرانوالہ

کتاب آثار السنن ، محدث جلیل ، محقق العصر علامہ فہامہ محمد بن علی النیموی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شہرۂ آفاق تالیف ہے ، علامہ موصوف برصغیر پاک و ہند کے ان نامی گرامی علماء میں شمار ہوتے ہیں جو علوم نبویہ کے سرخیل اور تحقیق اور تدقیق کے نیر تاباں ہیں ۔ حضرت ممدوح کی معرکۃ الآراء کتاب آثار السنن کو علمی دنیا میں جو لازوال شہرت حاصل ہوئی ہے وہ بیحد قابل قدر ہے ۔ اس کتاب کے لکھنے کی غرض و غایت مؤلف ہی کے الفاظ میں پیش خدمت ہے ۔

" آثار السنن کے نام سے ایک کتاب حدیث شریف میں قابل درس بطور مشکوٰۃ مختلف کتب احادیث سے انتخاب کرکے تنقید اسانید کے ساتھ لکھ رہا ہوں ۔ جو حنفی مذہب کی مؤید اور نہایت کارآمد ہے ۔ کتاب کی تیاری کے لئے ہندوستان کے نامی کتب خانوں کے علاوہ مصر ، روم اور حجاز کی قلمی کتابوں سے بھی استفادہ کیا ہے ہر حدیث کے آخر میں حوالہ مخرجین صحیح یا حسن ہونے کا بیان بھی ہے ۔ حواشی میں ضروری مباحث کے علاوہ محدثین کی تصحیح و تضعیف بھی اکثر مواقع میں لکھ دی گئی ہے "

مؤلف علامؒ نے کتاب میں وسعت قلبی کا شاندار مظاہرہ کیا ہے ۔ ہر ایک موضوع پر روایات کے انبار لگا دیئے ہیں ۔ اور پھر مسلک حنفی کی مؤید روایات بڑے اہتمام سے نقل کی ہیں جن سے اس الزام کی قلعی کھل گئی ہے کہ حنفیہ کا دامن احادیث سے خالی ہے ۔ مؤلفؒ نے ثابت کر دیا ہے کہ احادیث کی روشنی میں حنفیہ بالیقین جادۂ حق پر گامزن ہیں ۔

حضرت ممدوح کی آرزو تھی کہ آثار السنن درس نظامی کا حصہ بنے اور اسے "ترجمانِ حنفیت" کا اعزاز حاصل ہو ۔ بحمداللہ ان کا یہ خواب شرمندہ تعبیر ہوا اور پون صدی سے صوبہ بہار ، اڑلیسہ اور مصر کے مدارس میں داخلِ نصاب تعلیم ہے اور وفاق المدارس عربیہ کا یہ اقدام بیحد مستحسن ہے کہ انہوں نے بھی آثار السنن کو نصاب تعلیم میں شامل کر لیا ہے ۔

اگرچہ علماء اور طلباء اس سے بھرپور استفادہ کر رہے تھے مگر عوام الناس بہرہ یاب ہونے سے قاصر تھے

اب حضرت مولانا محمد اشرف زید مجدہٗ کی سعی جمیلہ سے ہر خاص و عام اس چشمۂ علم نبوت سے سیراب ہو سکے گا۔ موصوف نے بہت سلیس اور عام فہم ترجمہ اور اعراب سے کتاب کی افادیت کو چار چاند لگا دیئے ہیں اور اصل ماخذ کے ابواب و صفحات کی تخریج و تصحیح سے اہل علم کے لئے بھی انتہائی سہولت فراہم کر دی ہے جو ایک قابل ستائش علمی کارنامہ ہے۔ عنوانات، متن، تخریج، حاشیہ اور تراجم میں نکھار موتیوں کی طرح حسین و جمیل ہے کتاب ظاہری اور معنوی خوبیوں سے آراستہ و پیراستہ ہے ہر پڑھا لکھا مسلمان اسے حرز جان بنائے اور اس سے سنت کی ضیاء حاصل کرے۔ اللہ تعالیٰ مؤلف اور مترجم کی سعی کو مشکور و مقبول فرمائے اور کتاب کے فیوضات کو چار دانگ عالم میں پہنچائے۔

انوار المصابیح

افادات: حضرت مولانا مفتی محمد انور مدظلہ ـــ ترتیب و تحقیق: مولانا محمد ازہر مدیر ماہنامہ "الخیر"
صفحات: ۳۶۰ قیمت درج نہیں ـــ طباعت: دیدہ زیب ـــ ملنے کا پتہ: مکتبۃ الخیر جامعہ خیر المدارس ملتان

چھٹی صدی ہجری کے شروع میں ایک بہت بڑے محدث گذرے ہیں جن کا نام ابو محمد حسین ابن مسعود بن محمد الفراء البغوی اور لقب محی السنۃ ہے، انہوں نے صحاح ستہ اور حدیث کی دیگر کتب سے ایک انتخاب "مصابیح" کے نام سے تیار کیا، اس میں ۴۴۸۴ احادیث تھیں، اگرچہ وہ سب کی سب باسند تھیں مگر کتاب میں ان کی سند کا ذکر نہ تھا چنانچہ ۷۳۷ھ میں شیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ العمری الخطیب نے "مصابیح" کی نئے سرے سے ترتیب و تدوین کی اور اس کا نام "مشکوٰۃ المصابیح" رکھا، "مشکوٰۃ" کو بہت جلد حلقۂ محدثین میں قبولیت حاصل ہوئی اور درس نظامی میں یہ کتاب دورۂ حدیث سے پہلے پڑھائی جاتی ہے گویا یہ کتاب علوم حدیث سے آشنائی کے لیے بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔

کتاب کی اہمیت کی خاطر اس کی کئی شروح و حواشی لکھی گئی ہیں جن کی تعداد تقریباً چودہ ۱۴ ہے، ان میں مشہور شرح علامہ ملا علی قاریؒ کی ہے، گو کہ اولیت علامہ طیبیؒ کی شرح کو حاصل ہے۔ اسی طرح ایک عظیم شرح علامہ محمد ادریس کاندھلویؒ کی ہے جس کا نام "التعلیق الصبیح" ہے۔ علاوہ ازیں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے "اشعۃ اللمعات" کے نام سے فارسی میں اور نواب قطب الدین دہلویؒ نے "مظاہر حق" کے نام سے اردو میں اس کی شرح لکھی۔

زیر تبصرہ کتاب جامعہ خیر المدارس ملتان کے ممتاز مدرس اور مفتی مولانا محمد انور صاحب مدظلہ کی تحریرات جو کہ آپ نے مشکوٰۃ المصابیح کی تدریس کے دوران مختلف کتب اور اساتذہ کی آمالی سے منتخب کی تھیں، کا مرتب شدہ مجموعہ ہے جو کہ ماہنامہ "الخیر" کے فاضل مدیر حضرت مولانا محمد ازہر صاحب مدظلہ نے افادۂ عام کی خاطر اور طلباء کی سہولت کے لیے تاکہ وہ وقیع اور ضخیم شروح سے بے نیاز ہو جائیں، ان موتیوں کو "انوار المصابیح" کے رشتہ میں پرو دیا ہے ـــ امید ہے مدرسین و شائقین علم حدیث اس سے پوری طرح لطف اندوز ہوں گے۔

(م، ا، ف)

الوضاحۃ بالقرآن فی عقیدۃ التوحید والرسالۃ

نام مؤلف: مولانا محمد یوسف کیلانی خوشنویس ـــ صفحات ۱۴۸ ـــ قیمت: وقف فی سبیل اللہ
ملنے کا پتہ: حدیث پبلیکیشنز حضرت کیلیانوالہ براستہ علی پور چٹھہ ضلع گوجرانوالہ، پوسٹ کوڈ ۵۲۰۸۰

ایک مسلمان کے لیے بحیثیتِ مسلمان یہ بات از حد ضروری ہے کہ توحید اور رسالت کے بارے میں اس کا عقیدہ صاف اور صحیح ہو۔ قرآنِ حکیم میں پوری شرح اور تفصیل کے ساتھ اس کی وضاحت کی گئی ہے، اسلئے کہ نزولِ قرآن کے وقت جو کفار اور مشرکین موجود تھے ان کے عقائد توحید اور رسالت کے بارے میں کُلی طور سے باطل اور فاسد تھے چنانچہ قرآنِ کریم نے مختلف پیرایوں سے ان کے سامنے صحیح عقائد کی تصویر کشی کی۔

زیرِ تبصرہ کتاب میں مؤلف علام نے انتہائی محنت وجانفشانی سے آسان ترین الفاظ میں ان آیات کی توضیح فرمائی ہے جن کا تعلق توحید و رسالت سے ہے، اور جامع انداز میں ان پر بحث کی ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ مؤلف کے ہاتھ سے اعتدال کا دامن کہیں بھی نہیں چھوٹا۔ البتہ اگر آیات کی تشریح وتفسیر میں صرف ایک تفسیر پر اکتفاء کرنے کی بجائے مختلف تفاسیر کا حوالہ دیتے تو یہ بات اور بھی موزوں ہوتی۔

مؤلف موصوف نے کسرِ نفسی سے کام لیتے ہوئے کتاب پر اپنا نام نہیں لکھا ہے اور کتاب کی قیمت بھی مقرر نہیں کی، البتہ جو حضرات اس کے متمنی ہیں وہ درج بالا پتہ پر ۔/۵ روپے کا ڈاک ٹکٹ بھیج کر مفت طلب کر سکتے ہیں۔ (م ۔ ا ۔ ف)

حسن رحمت (نعتیہ کلام)

تالیف: جناب پروفیسر منظور علی شیخ ـــ صفحات ۹۶ ـــ قیمت، درج نہیں
ملنے کا پتہ: علمی کتب خانہ اردو بازار لاہور ۲

چمنستانِ مدحت رسولؐ ایک ایسا پُر بہا گلشن ہے جس کا حسن وجمال اور تازگی وشگفتگی بادِ خزاں سے آزاد اور قیدِ پژمردگی سے مُبّرا ہے اور اسکی کیف آور مہک اور عطر بیز جھونکے مشامِ روح وجاں کو معطر ومعنبر رکھتے ہیں اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

تقریباً ہر دور میں شعراء کرام نے منقبتِ حضورؐ پر وجد آگیں اور بہار آفریں نعتیں لکھیں لیکن فی الوقت اردو شعراء نے جسطرح فنِ نعت کے دامن کو عقیدت ومحبت کے پھولوں سے بھر دیا ہے وہ بات اب دوسری زبانوں میں خال خال نظر آتی ہے۔

زیرِ تبصرہ کتاب جناب پروفیسر منظور علی شیخ کی حضرت رسالتمآبؐ کے ساتھ قلبی محبت وارفتگی سے مملو واردات واحساسات کا مجموعہ ہے جس کے بارے میں جناب حفیظ تائب نے بجا فرمایا ہے کہ "پروفیسر منظور علی شیخ کی نعت عرفان وآگہی کی عمدہ مثال ہے جو الوہیت، رسالت اور بشریت کی حدود کو گڈمڈ کرنے کی بجائے ان کے رشتوں پر غور کرنے کی دعوت دیتی ہے"۔

ہمیں اُمید ہے کہ یہ مجموعہ نعت بہت جلد عشقِ رسولؐ سے بھر پور سینوں سے دادِ تحسین وصول کرے گا اور اس کا شمار اردو کے شہرت یافتہ مجموعہ ہائے نعت میں ہو جائے گا ـــ کتاب کی طباعت وکتابت انتہائی عمدہ نفیس اور دیدہ زیب ہے۔ (م ۔ ا ۔ ف)

قومی خدمت ایک عبادت ہے

اور

سروس انڈسٹریز اپنی صنعتی پیداوار کے ذریعے

سال ہا سال سے اس خدمت میں مصروف ہے

قدم قدم حسین قدم قدم آرام